رحمٰن جامی

اِدارۂ اِقلیمِ ادب

نام کتاب : اَرغن

شاعر : رحمٰن جامی

پہلی بار : ایک ہزار

ضخامت : ۲۱۶ صفحات

سنہ اشاعت : جنوری سنہ ۲۰۰۶ء

انتخاب : پروفیسر غنی نعیم

ترتیب و تزئین : عائشہ صدّیقہ

کتابت : یُوسف رضا (فون : ۳۵۲۴۹۴۸)

سرورق : فرہاد تمکنت

نگرانِ اشاعت : محمود سلیم

طباعت : پرنٹ لائن، چھتہ بازار۔ حیدرآباد

قیمت : دو سو روپے (پچاس امریکی ڈالر)

مِلنے کے پتے :

(۱) رہائش گاہ مصنّف : "اَلحِرا" قاری صاحب لین، ہِل کالونی، مہدی پٹنم، حیدرآباد ــ ۲۸ (فون : ۳۵۳۲۳۴۹)

(۲) حُسامی بُک ڈپو، ۱۲۵۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد۔ ۲

(۳) بُک ڈپو انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش، اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد

(۴) احمد رفیع راشد، ۶۰۳۵ بلیک تھورن ایونیو، لیک ووڈ، کیلی فورنیا۔ امریکہ ۹۰۷۱۲

(۵) اے ون اسٹیشنری، فرسٹ لانسرز، حیدرآباد۔

انتساب

آپی ——— مریم

بھیّا ——— قاری محمد عبدالعلیم

بھابی ——— امین النساء

آپا ——— آمنہ بیگم مرحومہ

کے نام ———

جن کی آغوش میں میرا بچپن گزرا

اور

میرے پیارے بھتیجے احمد عبداللہ محمود مرحوم

کے نام ———

جس کا بچپن میری آغوش میں گزرا

رحمٰن جامی

زیرِ اہتمام : احمد رفیع راشد (امریکہ)

ترتیب

پیش لفظ

شاعری الہام سے عبارت ہے۔ اور "تانہ بخشد خدائے بخشندہ" کے مصداق ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ معدودے چند شخصیتوں کے اندر تخلیق کی بے پناہ صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور اگر اظہار کا سلیقہ مل جائے تو پھر وہ اپنے آپ کو ناسازگار حالات کے باوجود منوا لیتی ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت کا نام ہے رحمٰن جامی جس کے رگ و پے میں شاعری رواں دواں ہے۔ احساسِ جمال، ندرتِ خیال، شدتِ جذبات اور قدرتِ اظہار سے متصف رحمٰن جامی کے اندرون سے جب شعر کا لاوہ اُبلتا ہے تو سنگلاخ زمینیں موم ہو جاتی ہیں۔

رحمٰن جامی اس عمر سے شعر کہہ رہے ہیں جب عام لڑکوں میں زندگی کا شعور تک نہیں ہوتا۔ پانچویں جماعت کا طالب علم اگر شعر و ادب کی دیوی کو اپنے سینے سے لگا لے تو انجام ظاہر ہے۔ پچاس برسوں کے اس شعری سفر میں رحمٰن جامی نہ صرف استقامت کے ساتھ ستاروں سے آگے کی منزلوں کی طرف گامزن رہے بلکہ شاید اردو کا کوئی ایسا رسالہ نہیں ہے جس نے رحمٰن جامی کی تخلیقات کو شائع نہ کیا ہو۔ پھر بھی

نہ جانے کیوں ان کا صرف ایک ہی مجموعۂ کلام "جامِ آنا" منظرِ عام پر آیا۔ اب کہیں جا کر انھیں یہ توفیق ہوئی ہے کہ وہ مزید مجموعے شائع کریں۔ چنانچہ ایک ساتھ ان کے دو مجموعے "قِسطاط" اور "ارغن" زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہے ہیں جن میں کئی اصناف پر محیط تخلیقات شامل ہیں۔

دراصل رحمٰن حامی کو چیلنج قبول کرنے کا چسکہ ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اردو شاعری کی تقریباً سبھی اصناف اور ہیئتیں اپنی پوری تابناکی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ "ارغن" میں شامل تخلیقات میں جہاں حمد، مناجات اور نعت، قصیدہ فروزاں ہیں وہیں پابند، آزاد، معرا اور نثری نظموں کے علاوہ رُباعیات قطعات، ترائیلے، سانیٹ، ماہیے، ہائیکو، سرسی چھند، گیت، دوہے اور اس پر مستزاد دو نئی اصناف "مسدسہ" اور "مرقعے" بھی اپنی بہار دکھلا رہے ہیں جنھیں خود رحمٰن حامی نے روشناس کرایا ہے۔ غزل بھی اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ موجود ہے اور ساتھ ساتھ اس مجموعے میں شامل "دو غزلے" یہ احساس دلاتے ہیں کہ شاعر میں کس غضب کی اُپج ہے۔

رحمٰن حامی کی شاعری میں ایک کائنات سمٹ آئی ہے۔ انفرادی لب و لہجے نے ان کی تخلیقات میں ایک ایسا رنگ پیدا کر دیا ہے جو انھیں ممیز کرتا ہے۔ زندگی حسین بھی ہے اور انتہائی کریہہ خد و خال کی حامل بھی۔ اسی ادراک نے رحمٰن حامی کو نرم و نازک اظہار کے ساتھ کھردرے اور کرخت اظہار سے متصف کیا جو عصرِ حاضر کی دین ہے۔ اسی لئے رحمٰن حامی کو روایت پسند، ترقی پسند اور جدید کے خانوں میں رکھنے کی بجائے ان کی اپنی شخصیت اور تخلیقی کاوشوں کی روشنی میں دیکھنا ہوگا۔ تخلیقی عمل وجدانی ہوتا ہے جسے مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ اور فکری تجزیہ جِلا بخشتے ہیں۔ رحمٰن حامی کی تخلیقات میں یہ سرچشمے شدت کے ساتھ

محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ مثالیں تو سینکڑوں دی جا سکتی ہیں اور اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے صفحات کے صفحات سیاہ کئے جا سکتے ہیں لیکن قاری کو انگلی پکڑ کر چلانے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ وہ خود اپنی رائے قائم کرے۔ اسی لئے یہاں رحمٰن جامی کی شاعری سے نمونے درج کرنے سے اجتناب کیا جا رہا ہے۔

رحمٰن جامی کے گنجینۂ شعر میں ابھی ڈھیر ساری بیاضیں ہیں اور اگر انھیں شائع کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ کم از کم پندرہ مجموعے تو ہو ہی سکتے ہیں۔ اور پھر تخلیقی سوتے بھی پوری قوت کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ ان بیاضوں کے شائع ہوتے ہوتے بیاضوں کا ایک نیا ڈھیر وجود میں آجائے۔

مجھے یقین ہے کہ "جام آنا" کی طرح "قسطاط" اور زیرِ نظر مجموعۂ "ارغن" بھی شرفِ قبولِ عام و خاص حاصل کرے گا

۸ر فروری ۲۰۰۲ء

رحمت یوسف زئی
پروفیسر و صدر شعبۂ اردو
یونیورسٹی آف حیدرآباد

حمد

○

دُنیا، ہمارا ہے جیل خانہ
دشمن ہے اپنا سارا زمانہ
کِس کو سُنائیں اپنا فسانہ
ہر جا ہمیں ہیں غم کا نشانہ

اللہ لیکن اپنا ہے یاور
اللہ اکبر اللہ اکبر

چاروں طرف سے ہم گھِر گئے ہیں
اپنی وفا کے ڈنکے بجے ہیں!
راتوں میں اکثر ہم جاگتے ہیں
ہر سو مسلمان سہمے ہوئے ہیں

تلوار گویا ہر دم ہے سر پر
اللہ اکبر اللہ اکبر

اَپنا عمل ہے اَپنا سہارا
پلٹا ہی دیں گے طوفاں کا دھارا
رُخ موڑ دے گا ہلکا اِشارہ
لب پر ہے اپنے بس ایک نعرہ

اب تو یہی ہیں الفاظ لب پر
اللہ اکبر اللہ اکبر

دنیا کو اپنا کرنا ہے جاؔمی
جرُمانہ دل کا بھرنا ہے جاؔمی
جینے کی خاطر مرنا ہے جاؔمی
ہر دم خُدا سے ڈرنا ہے جاؔمی

نعرہ ہے اَپنا پھیلا ہے گھر گھر
اللہ اکبر اللہ اکبر

مناجات

دُعا

اے خدا میری آرزو ہے یہی
میرا ہر لمحہ کام میں گزرے
میں سدا کام آؤں لوگوں کے
میری جانب سے اب کسی کو بھی
نہ زیاں اور نہ کچھ ضرر پہنچے
دوست تو دوست ہیں مصیبت میں
اپنا دشمن بھی گھر نڈر پہنچے

تیری مخلوق کے مَیں کام آؤں
یہی سب سے بڑی عبادت ہے
جو حسد میں ہیں مبتلا اُن کو
راستی کی طرف ہدایت دے
چند شاعر جو مجھ سے جلتے ہیں
شر سے ان کے مجھے بچائے رکھ
پیار ہر دل میں تو بسائے رکھ

حُسنِ طلبؒ

پرواز خوش آغاز مجھے تا بہ فلک دے
تھک جاؤں تو جب بے کو مرے تازہ کمک دے

تڑپوں میں تری دید کی خواہش میں ہمیشہ
اس دل کو مرے ہجر کے لمحوں کی کسک دے

صحت کیلئے دل کی ضروری ہے جراحت
زخموں کی عیادت کیلئے خوئے نمک دے

تحریر سے میری رگِ احساس پھڑک جائے
تقریر میں بھڑے ہوئے شعلوں کی لپک دے

جامیؔ ہے اگرچہ یہ ترا بندۂ عاصی
ذرّہ ہے مگر تو اسے سورج کی چمک دے

اے خُدا انصاف ہمکو بھی برابر چاہیئے

بات اچھی سوچنے کے واسطے سر چاہیئے
اے خدا انصاف ہم کو بھی برابر چاہیئے
زندگی جیسی ہے اب، کچھ اِس سے ہٹ کر چاہیئے
ہم ہیں افغاں، ہم فلسطینی ہمیں گھر چاہیئے
آج پھر دشمن کی فوجوں کیلئے ڈر چاہیئے
آج پھر اسلام کو بازوئے حیدرؓ چاہیئے

آج دنیا کھو گئی ہے تیرگی کے غار میں
آج مذہب بک رہا ہے بے خطر بازار میں
آج ہر فتحِ مُبیں بدلی ہوئی ہے ہار میں
آج ہر مُسلِم گِھرا ہے ہر جگہ ادبار میں
آج پھر اُمّت کو اِک صدّیقِ اکبرؓ چاہیئے
آج پھر اسلام کو بازوئے حیدرؓ چاہیئے

آج ہم ہر باب میں کمزور ہیں مجبور ہیں
آج ہم "اعزاز" کے جھوٹے نشے میں چور ہیں
آج ہم عزم و عمل میں ہر جگہ معذور ہیں
آج ہم فہم و فراست سے بہت ہی دُور ہیں

آج پھر فاروقؓ سا بے پاک رہبر چاہیئے
آج پھر اسلام کو بازوئے حیدرؓ چاہیئے

آج پھر کشتی بھنور میں پھنس گئی اسلام کی
آج پھر عزت بھی ہے خطرے میں تیرے نام کی
آج پھر رک جائے گردش چرخِ نیلی فام کی
آج پھر باتیں کریں ساری ترے ہی کام کی

آج پھر اس قوم کو عثمانؓ اطہر چاہیئے
آج پھر اسلام کو بازوئے حیدر چاہیئے

نعت

○

محبّت ہی محبّت ہیں محمّد مصطفےٰ میرے
زمانے بھر کی رحمت ہیں محمّد مصطفےٰ میرے

ابھی وا ہے درِ توبہ گنہگارو نہ گھبراؤ
شفاعت ہی شفاعت ہیں محمّد مصطفےٰ میرے

اُجالے میں بدلنے کے لئے دنیا کی تاریکی
چلو شمعِ ہدایت ہیں محمّد مصطفےٰ میرے

شبِ معراج میں کی ہے امامت سارے نبیوں کی
کہ سردارِ رسالت ہیں محمّد مصطفےٰ میرے

مَیں ہوں کمزور اور مظلوم میرا آسرا یہ ہیں
میرے ایماں کی طاقت ہیں محمّد مصطفےٰ میرے

خود اپنے نور سے پیدا کیا اللہ نے جن کو
وہ حسنِ دینِ فطرت ہیں محمدؐ مصطفےٰ میرے

زمین و آسمان جن کے اُجالے سے منوّر ہیں
وہ نورِ علم و حکمت ہیں محمدؐ مصطفےٰ میرے

جو تھامے دامنِ احمدؐ وہی منزل رسیدہ ہے
شریعت ہیں طریقت ہیں محمدؐ مصطفےٰ میرے

شریعت ہیں طریقت ہیں حقیقت ہیں رسالت ہیں
بصارت ہیں بصیرت ہیں محمدؐ مصطفےٰ میرے

سُنو! اے مفلسو آؤ محمدؐ کی طرف آؤ
زمانے بھر کی دولت ہیں محمدؐ مصطفےٰ میرے

مجھے رحمٰن جامی فخر ہے اُمّت میں ہوں اِن کی
جہاں میں میری عظمت ہیں محمدؐ مصطفےٰ میرے

حضورِ رسالت مآبؐ میں

(تمام تر مطلعوں پر مشتمل)

اے ناز والے ترے گیت ہم نے گائے ہیں
تو وہ ہے جس کے خدا نے بھی ناز اٹھائے ہیں

ترے بنے تو نصیب اپنے جگمگائے ہیں
زمیں ہے پھر بھی زمیں آسماں پہ چھائے ہیں

قدم قدم پہ فرشتوں نے پر بچھائے ہیں
جہاں حضورؐ خدا کا پیام لائے ہیں

نگاہِ شوق نے جلوے عجب دکھائے ہیں
کہ نور بن کے وہ دِل میں مرے سمائے ہیں

جہاں بھی آپ ذرا سا جو مسکرائے ہیں!
وہاں ہزارہا خورشید جگمگائے ہیں

جو لفظ دنیا میں قرآن بن کے آئے ہیں
وہ خود خدا نے تری نطق سے بلائے ہیں

اندھیری رات میں خورشید بن کے آئے ہیں
حضورؐ نور کا پیغام ساتھ لاتے ہیں

قصیدہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

جو ہم سے پیار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا
دُرِ پندار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

خُدا جب یار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا
تو بیڑا پار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

وہ جب خاموش رہتے ہیں تو آنکھیں بول اُٹھتی ہیں
عجب اظہار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

سبھی سے اُن کو اُلفت ہے نہیں تخصیص کوئی بھی
سبھی سے پیار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

زہے قسمت مرے ہندوستاں کے اپنے حصے میں
رُخِ انوار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

یہ ارضِ دلّی گویا ان کے طرزِ خاص کے ہاتھوں
گُل و گلزار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

خود اپنے آپ کو ملّت کی خاطر وقف کر ڈالا
کہ یہ ایثار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

اب اسکے بعد دُنیا کی بھلا انکو ہے کیا پروا
خُدا خود یار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

خُدا کی راہ میں سب خرچ کر دیتے ہیں دھن دولت
حسیں کردار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

مسلسل اِس جہانِ بے مروت میں عدو خود ہی
ذلیل و خوار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

مخالف دادا پیرا[1] کی ہوئی اِس بات پر دُنیا
کہ یہ مختار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

بڑا ہے مرتبہ اس کا ہماری بھی نِگاہوں میں
جو بیدار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

زمانے میں حقیقت کی منادی کرتا رہتا ہے
یہ جو اخبار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

[1] مُلا نظام الدین شوق نظامی المعروف بہ دادا پیر ادونی

سدا کوئی نہ کوئی باریابی سے مشرف ہے
بڑا دربار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

سلیقہ زندگی کا سیکھتے ہیں سب یہاں آکر
حسیں ستار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

یہاں شنوائی ہوتی ہے بلا کھٹکے دکھی دل کی
کہ دل بیدار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

زبانِ اردو اور دلّی کے تہذیب و تمدن پر
بڑا "اپکار" ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

یہ مانا لاکھ طوفاں ہے سفینہ پار اترے گا
اگر پتوار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

جو ظاہر ہے وہ باطن ہے، جو باطن ہے وہ ظاہر ہے
یہی اسرار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

جسے سمجھے تھے ہم جامیؔ مسیحا زندگانی میں
وہی بیمار ہے خواجہ حسن ثانی نظامی کا

نظمیں

پابند نظم

دِلّی

دِلّی میں آکے مجھ کو لگا خوش نصیب ہوں
غالب کا ہم سخن ہوں مَیں اپنا رقیب ہوں
شاعر ہوں، فکر کرتا ہوں دل کا نقیب ہوں
سچ بولتا ہوں آج بھی کتنا عجیب ہوں

غالب کے شہر نے مجھے مخمور کر دیا
سچ بولنے کے واسطے مجبور کر دیا

اُردو کو ہندی کہتے ہیں دِلّی کے لوگ اب
جذبات میں بھی بہتے ہیں دِلّی کے لوگ اب
سختی بھی ہنس کے سہتے ہیں دِلّی کے لوگ اب
ہر وقت مست رہتے ہیں دلّی کے لوگ اب

دِلّی کے لوگ دِلّی میں رہتے ہیں پیار سے
سب سے تعلقات بھی ہیں خوشگوار سے

رتبہ اگر بڑھا ہے مِرا دادا[1] پِیر سے
حُسنِ نظر بڑھا ہے مِرا دادا پِیر سے
قلب و جگر بڑھا ہے مِرا دادا پِیر سے
لطفِ سفر بڑھا ہے مِرا دادا پِیر سے

اقبال[2] و نور سے بھی ملاقات ہو گئی
مرشد کے طور سے بھی ملاقات ہو گئی

محوِ ادا ہُوا ہوں مَیں غالب کے شہر میں
اب کے یہ کیا ہوا ہوں میں غالب کے شہر میں
خود سے جُدا ہوا ہوں مَیں غالب کے شہر میں
کیسا نشہ ہوا ہوں میں غالب کے شہر میں

غالب کے ساتھ دِلّی کی گلیوں مَیں کھو گیا
دلی میں آکے اپنا پتہ پوچھتا رہا

تھم تھم کے گدگداتی ہیں دِلّی کی سردیاں
ہر ایک کو نچاتی ہیں دلّی کی سردیاں
مجھ کو بھی کپکپاتی ہیں دِلّی کی سردیاں
رہ رہ کے آزماتی ہیں دِلّی کی سردیاں

دِلّی کی سردیاں ہیں کہ غالب کا ہوش ہے
مانا کہ میکدے میں بہت ناؤ نوش ہے

---

[1] دادا پیر: میرا پھوپھی زاد بھائی جس کا اصلی نام مُلّا نظام الدین شوق نظامی ہے۔
[2] اقبال و نور و مرشد، راٹلیما کے احباب۔

دِلّی کی صبح شوخ طبیعت سے کم نہیں
دِلّی کی صبح حُسن کی صورت سے کم نہیں
دِلّی کی صبح پیار کی نکہت سے کم نہیں
دِلّی کی صبح روح کی جنّت سے کم نہیں

ولیوں کی فتح کامی کی دِلّی حسین ہے
خواجہ حسَن نظامی کی دِلّی حسین ہے

جامی بڑی حسین ہے دِلّی کی دوپہر
کس درجہ دل نشیں ہے دلّی کی دوپہر
گویا کہ نازنین ہے دِلّی کی دوپہر
کہہ دو کہ بہترین ہے دِلّی کی دوپہر

دِلّی کی دوپہر ہے کہ میرے دکن کی صبح
دِلّی کی دوپہر ہے کہ صحنِ چمن کی صبح

دِلّی کی شام صحبتِ یاراں کی شام ہے
دِلّی کی شام بزمِ نگاراں کی شام ہے
دِلّی کی شام جشنِ بہاراں کی شام ہے
دِلّی کی شام شاہ سواراں کی شام ہے

دِلّی کی شام میں ہے محبّت گھلی ہوئی
دِلّی کی شام میں ہے شرافت گھلی ہوئی

دِلّی کی رات نور کی نکہت کی رات ہے
دِلّی کی رات لطف کی راحت کی رات ہے
دِلّی کی رات یار کے قامت کی رات ہے
دِلّی کی رات ہجر کی، فرقت کی رات ہے
دِلّی کی رات گرم لبادوں میں کٹ گئی
دِلّی کی رات ماضی کی یادوں میں کٹ گئی

دِلّی میں، اک وفا کی نشانی ہے جن کا نام
دریائے زندگی کی روانی ہے جن کا نام
اِس عمر میں بھی ایک جوانی ہے جن کا نام
خواجہ حسن کے ساتھ ہی ثانی ہے جن کا نام
دِلّی میں ان کا نام ہے اونچا مقام ہے
ان کو فقط عطا و نوازش سے کام ہے

دِلّی کے میزبان کی مہمان نوازیاں
کتنی ہیں آن بان کی مہمان نوازیاں
ہیں ان کی اپنی شان کی مہمان نوازیاں
ہر روز اک جہان کی مہمان نوازیاں
جامی مجھے دکن میں بھی یاد آئیں گی بہت
یادیں یہ لطفِ خاص کی تڑپائیں گی بہت

۳[1]

دِلّی بُلا کے شعر کا انعام دے دیا
کچھ اور فکر و فن کا مجھے کام دے دیا
رستہ تھا خاص اس کو رہِ عام دے دیا
سچ تو یہی ہے مجھ کو مِرا نام دے دیا
اس اہتمامِ جامی کا ممنون ہوں بہت
خواجہ حسن نظامی کا ممنون ہوں بہت

۳[1] حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مدظلہ نے غالب صدی کے مشاعرے میں بُلا کر دس دن تک اپنے گھر مہمان رکھا اور تاج محل آگرہ دِکھانے اور دِلّی گھُمانے کا اہتمام بھی فرمایا۔

نذرِ رائچور

زندگی ہے حسن ہے نشہ ہے رائچور میں
کیا بتاؤں اور میں کیا کیا ہے رائچور میں

میرا بچپن ہے جوانی ہے اور اسکے ساتھ ساتھ
ایک یادوں سے بھری دُنیا ہے رائچور میں

یہ الگ ہے بات جو اپنا تھا اب وہ غیر ہے
اور جو تھا غیر، اب اپنا ہے رائچور میں

میری آنکھوں میں تری صورت بسی ہے آجتک
رات دن میں نے تجھے دیکھا ہے رائچور میں

آج بھی ہے باعثِ لطف و کرم اس کا وجود
آج بھی وہ خوش ادا رہتا ہے رائچور میں

بعد مدت آج اچانک سامنا اُس سے ہُوا
دل بھی کتنی زور سے دھڑکا ہے رائچور میں

ناز ہے اِس سرزمیں پر جس نے تڑپایا مجھے
ساتھ میرے وہ بھی تو تڑپا ہے رائچور میں

شہر کے اطراف قلعے کی فصیلوں کا حِصار
تھا حقیقت آج اِک سپنہ ہے رائچور میں

ہر طرف شہرت ہے میری عاشقی کی دیکھئے
اور اُس کے حُسن کا چرچا ہے رائچور میں

رشک ہوتا ہے ہمیں رحمٰن جامی آپ پر
آپ کا بابا یار ہے شیدا ہے رائچور میں

مَیں نے یہ مانا بڑا شاعر ہے لیکن دیکھئے
آج بھی جامی بہت چھوٹا ہے رائچور میں

فردا کے موڑ پر

میرا ماضی مرے حال کی راہ میں
لُٹ گیا ہے کسی قافلے کی طرح
حال بھی میرا فردا کے اِس موڑ پر
آج ہے پاؤں کے آبلے کی طرح

لڑکھڑاتے قدم زندگی کے لئے
کتنے بے چین ہیں کتنے بے تاب ہیں
ایک فریاد ہے دل کی ہر آرزو
آنکھیں اُمیّد کی کب سے بے خواب ہیں
اور اب آکے فردا کے اِس موڑ پر
حال بن کر تماشائی خاموش ہے
جیسے طوفان اُٹھنے کی ہے یہ خبر
کِس قدر میری تنہائی خاموش ہے

شاذ تمکنت

پندرھویں برسی پر

بچھڑ کے تم سے ہمیں کتنے سال بیت گئے
جو لمحے عمر کے تھے بے مثال بیت گئے
جو اہلِ فکر ہیں کچھ لوگ اب بھی کہتے ہیں
جو لاجواب تھے اہلِ کمال بیت گئے
تمہاری یاد مگر اب بھی دل میں باقی ہے
اگرچہ جام بکف نامراد ساقی ہے
بھٹکتے پھرتے ہیں شہرِ خلوص میں جامی
نہ ہمسری ہے کوئی اب نہ ہم مذاقی ہے

جو ہم مزاج تھے مرحوم ہوگئے کب کے
بنامِ شعر بنامِ وفا بنامِ جنوں
ہمارے قصّے بھی منظوم ہوگئے کب کے
ہماری نظموں میں خفتہ جو واقعات بھی تھے
تمام لوگوں کو معلوم ہوگئے کب کے

سُناتے رہتے تھے اہلِ وفا جو افسانے
ہمارے نام سے موسوم ہو گئے کب کے
تمہیں پتہ ہے حسینانِ شہر رہ رہ کر
جو ظلم ڈھاتے تھے مظلوم ہو گئے کب کے
تمہارے ساتھ جو مسرور رہتے تھے اکثر
تمہارے بعد وہ مغموم ہو گئے کب کے

تمہارے بعد تو بُت جیسے خود سے روٹھ گیا
تمہارے بعد تو آزر بھی ہو گیا تنہا
تمہارے بعد نشہ بھی نہیں رہا باقی
تمہارے بعد تو ساقی بھی کب رہا ساقی
تمہارے بعد تو محفل کی رونقیں بھی گئیں
ہزار بار سنورتا تھا آئینہ لے کر
تمہارے بعد رُخِ دل کی رونقیں بھی گئیں

یہ پری چہرہ لوگ

سونے جیسی پیلی پیلی
اُجلی اُجلی جیسے چاندی
چلتی پھرتی تصویریں ہیں
یا خوابوں کی تعبیریں ہیں
کتنے پیارے جسم ہیں ان کے
دل کی خواہش ان کو چھو لے۔
کتنے حسیں ہیں ان کے چہرے
ماہ جبیں ہیں ان کے چہرے
دور سے کتنے پیارے پیارے
جیسے ہیں آکاش کے تارے
لیکن ان کے چاؤ الگ ہیں
بھید الگ ہیں بھاو الگ ہیں
تن کے اُجلے من کے کالے
ہیں یہ فلمی دُنیا والے

فصیلِ شب سے اُبھرتا ہُوا حسیں مہتاب
ردائے ابر سے چھُپ چھُپ کے دیکھتا ہے مجھے
میں اپنا درد چھپائے ہوئے ہوں سینے میں
کہ اک سزائے محبّت مری وفا ہے مجھے

تمہارا نام نہ لیتا جو میں تو کیا کرتا
تمہارا نام لیا میں نے احترام کے ساتھ
تمہارا نام لیا بھی نہ تھا کہ لوگوں نے
تمہارا نام لیا خود ہی میرے نام کے ساتھ

مرے ہی شہر میں میں آج اتنا تنہا ہوں
کہ میرے دوست بھی وحشت سے میری نالاں ہیں
تمہارے ذکر پہ ہوتا ہے طنز بھی مجھ پر
دِوانے پن سے مرے اب سبھی گریزاں ہیں

میں اب تمہارے لئے غیر ہوں مگر تم بھی
خدا کے واسطے میرے لئے بھی غیر بنو
خود اپنے آپ کو دیکھو تم اجنبی بن کر
جو ہو سکے تو تم اپنے لئے بھی غیر بنو

کچھ ایسا روپ بھرو میں تمہیں نہ جان سکوں
نہ تم رہو نہ تمہاری رہے کشش باقی
جو کر سکو تو کوئی ایسا انتظام کرو
نہ میں رہوں نہ تو دل کی رہے خلش باقی

درو دیوار اپنے

روز و شب جس سے مِری فِکر و نظر ٹکرائے
اس سے پھر شام و سحر قلب و جگر ٹکرائے

کیا ہو پھر ردِّ عمل طرزِ عمل پر ہر دم
یوں ہی گر ساتھ مِرے سارا ہی گھر ٹکرائے

تم بتاؤ کہ اگر بند ہوں سب دروازے
پھر مِری فِکر کہاں جائے کدھر ٹکرائے

وحشتِ دل کا تقاضہ ہے کہ آوارہ رہے
کوئی منزل سے نہ یہ راہ گزر ٹکرائے

کام آئے در و دیوار ہی اپنے جامیؔ
لوٹ کر ہم در و دیوار سے سر ٹکرائے

قانون ہے معطل دستور پارہ پارہ

(بابری مسجد کی شہادت پر)

سارے جہاں سے اچھی ہندوستاں کی دھرتی
مشہور تھی جہاں میں امن و اماں کی دھرتی
اب نام کھو رہی ہے ہر دم یہاں کی دھرتی
تاریخ ساز میرے نام و نشاں کی دھرتی
اب اس حسیں کو جانے کس کی نظر نے مارا
قانون ہے معطل ، دستور پارہ پارہ

دھومیں مچا رہی ہے ظالم کے ساتھ پولس
کرتب دکھا رہی ہے ظالم کے ساتھ پولس
گولی چلا رہی ہے ظالم کے ساتھ پولس
خود ظلم ڈھا رہی ہے ظالم کے ساتھ پولس
مظلوم ہی کا ٹھہرا اب تو قصور سارا
قانون ہے معطل ، دستور پارہ پارہ

بے دست و پا ہیں گویا قانون کے محافظ
اہلِ جفا ہیں گویا قانون کے محافظ
ہم سے جُدا ہیں گویا قانون کے محافظ
بے آسرا ہیں گویا قانون کے محافظ
مُجرم کے ہاتھ میں ہے انصاف کا اجارہ
قانون ہے معطل ، دستور پارہ پارہ

غائب کہیں جہاں سے بھارت ہی ہو نہ جائے
خود اسکے ہاتھ اس کی دُرگت ہی ہو نہ جائے
اپنے عمل سے ظالم غارت ہی ہو نہ جائے
طاری ہر ایک دل پر دحشت ہی ہو نہ جائے
چھوڑے گا راکھ کر کے نفرت کا ہر شرارہ
قانون ہے معطل ، دستور پارہ پارہ

قانون کو بچا لے دستور کو بچا لے
دُنیا کے سب سے اعلیٰ منشور کو بچا لے
عام آدمی کو یعنی مزدور کو بچا لے
کوئی تو حق کی خاطر منصور کو بچا لے
جاگے کوئی مجاہد بن کر اُٹھے خدارا
قانون ہے معطل ، دستور پارہ پارہ

غمخوار

سوچتا ہوں کہ ترے پیار کا کیا بدلہ دوں
میں لُٹا ہارا ہوں اب پاس مرے کچھ بھی نہیں
سوچتا ہوں کہ حقیقت ہی تجھے بتلا دوں
بات کہہ دوں تو ہے ڈر دل ترا ٹوٹے نہ کہیں

جانے کیوں کہہ نہیں پاتا ہوں حقیقت دل کی
جب تری شوخ نگاہوں کا خیال آتا ہے
اور بڑھ جاتی ہے کیفیتِ فکر و احساس
جب ترے پیار کی بانہوں کا خیال آتا ہے
تیرا اظہارِ محبت ترا اقرارِ وفا
مجھ کو بھولی ہوئی راہوں کا خیال آتا ہے

میں مگر سوچتا ہوں، راہ جدا ہے میری
مجھ کو تسلیم ہے بے لوث وفا ہے میری
مجھ کو معلوم نہیں پیار کی منزل کیا ہے
شورشِ بحر ہے کیا فتنۂ ساحل کیا ہے

تیرے اخلاص کا قائل ہوں میں یہ جانتا ہوں
چند لمحے تو مرے غم کو بُھلا سکتی ہے
فکر و احساس کی جلتی ہوئی راتوں میں مجھے
تھپکیاں دے دے کے کچھ دیر سُلا سکتی ہے
لیکن اے دوست مری ساتھی اے میری غمخوار
اس طرح تو مری تسکین کا سامان نہ کر
زخم وہ دل پہ لگا ہے جو نہیں بھر سکتا
اِس لیے اب تو مرے درد کا درمان نہ کر

زور آور رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

اب سیاست کا ہُنر تم سے ہے اَے جانِ ادا
گردش شام و سحر تم سے ہے اَے جانِ ادا
رونقِ شمس و قمر تم سے ہے اَے جانِ ادا
اب مخالف کو بھی ڈر تم سے ہے اَے جانِ ادا

جانِ محشر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

یہ فسادات یہاں تم سے فقط تم سے ہیں
بگڑے حالات یہاں تم سے فقط تم سے ہیں
ایسے دن رات یہاں تم سے فقط تم سے ہیں
سب حکایات یہاں تم سے فقط تم سے ہیں

تم تو رہبر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

زندگانی کی اذیت میں نہاں تم ہی ہو!
صرف ووٹوں کی سیاست میں نہاں تم ہی ہو!
اور بڑھتی ہوئی نفرت میں نہاں تم ہی ہو!
سچ یہ ہے رمزِ حکومت میں نہاں تم ہی ہو!
تم ہنر ور ہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

کرتے پھرتے ہو "گھوٹالے" بھی یہاں تم کیا کیا
دیتے رہتے ہو حوالے بھی یہاں تم کیا کیا
دھندے خود کرتے ہو کالے بھی یہاں تم کیا کیا
کام کرتے ہو نرالے بھی یہاں تم کیا کیا
بخت آور ہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

روز رشوت سے سروکار بھی رہتا ہے تمہیں
بگڑی عادت سے سروکار بھی رہتا ہے تمہیں
کسی عورت سے سروکار بھی رہتا ہے تمہیں
ہر ضرورت سے سروکار بھی رہتا ہے تمہیں
تم دلاور ہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر رہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

تم تو مسجد بھی بہر طور گرا سکتے ہو
اس جگہ اِک نیا مندر بھی بنا سکتے ہو
ظلم انسان پہ ہر حال میں ڈھا سکتے ہو
حشر تھم تھم کے بہر حال اٹھا سکتے ہو
تم ستمگر ہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے
تم تو لیڈر ہو مری جاں تمہیں ڈر کس کا ہے

بازپُرس

تم جو مِل جاؤ تو مَیں تم سے نہیں پوچھوں گا
تم نے کیوں مجھ کو دیا پیار کا رنگین فریب
زندگی بھر کے لئے کیوں مجھے برباد کیا
کیوں دیا پیار کے اقرار کا رنگین فریب

ہاں مگر اتنا ہی پوچھوں گا اگر مِل جاؤ
غیر کی ہو کے بھلا اچھی تو ہو خوش تو ہو

ہاسپیٹ

فکر و فن کی سرزمیں کا آسماں ہے ہاسپیٹ
اور علم و آگہی کا اک جہاں ہے ہاسپیٹ

اک گلستاں ہے محبت کا چمن ہے پیار کا
اہلِ دل اہلِ وفا کا آشیاں ہے ہاسپیٹ

خام لوہے کے ہیں معدن ہر طرف پھیلے ہوئے
بے زمیں لوگوں کا گویا آسماں ہے ہاسپیٹ

زندہ دل رہتے ہیں اس جا زندگانی ہے یہاں
اتنی صدیوں بعد بھی دیکھو جواں ہے ہاسپیٹ

صادقؔ و رحمٰنؔ و جعفرؔ اور حسینؔ ارکان ہیں
"پھول بن" کی زندگی کا راز داں ہے ہاسپیٹ

ا۔ "پھول بن" ہائی اسکول و کالج کی انتظامی کمیٹی کے کرتا دھرتا۔

ایک بھولی داستاں، ہمپی کی ہے یہ سرزمیں
اور اس کے ساتھ زیبِ داستاں ہے ہاسپیٹ

اک 'تری کھپرے' ہے سرگرداں حقیقت کے لئے
اک حقیقت کا مگر نام ونشاں ہے ہاسپیٹ

ہیں یہاں محبوب[1] و اختر[2] اور تسنیم[3] و غوثیہ[4]
بادشاہ[5] و غوث پاشا[6] میں نہاں ہے ہاسپیٹ

ساتھ اپنے نونہالوں کے ہیں سیما[7] و شفیع[8]
اب یہی ان کا چمن ان کا جہاں ہے ہاسپیٹ

آپ بھی رحمٰن جامی کیا انھی کے ساتھ ہیں
اپنی منزل خود ہے خود ہی کارواں ہے ہاسپیٹ

ع۱ ہم زلف ع۲ سالی ع۳ ع۴ بھانجیاں ع5 ع۶ بھانجے
ع7 بہو ع8 بھتیجا

آزاد نظم

(مُرف مَانی)

شہرِ جدّہ

شہرِ جدّہ
دن میں کرفیو کا سماں
راتیں جواں
تیری سڑکوں پر فقط
کاروں کا ہر سو کارواں
اور گھروں میں حُسن بے پردا اسیر
آگہی ہر حال میں محتاط ہے
بند دروازوں کے پیچھے
آدم و حوّا کا قصہ ہے طویل و مختصر
گھر سے باہر
ہے جنوں بھی آگہی کا ہمسفر
ہر بشر بھی ہے بظاہر معتبر

شہرِ جدّہ
سچ بتاؤں
ہر طرف تخویف کا ماحول ہے
اک طرف خوفِ مُتوّا
اک طرف شُرطہ کا ڈر
شہرِ جدّہ تو بہت ہے سخت گیر

بے اقامہ لوگ گھبرائے ہوئے
ہر قدم پر خود سے ٹھکرائے ہوئے
چوٹ ہر احساس کی کھائے ہوئے
پھر بھی پُر امید
اپنے اک خدا کی ذات سے
کر کے سمجھوتہ یہاں اچھے بُرے حالات سے
کر رہے ہیں زندگی کی جُستجو
بند شیشی میں لئے پھرتے ہیں اپنی آبرو

شہر جدّہ
سچ بتاؤں
ہر اقامہ دار بھی ہے مضطرب
گھر کی یادوں میں گِھرا رہتا ہے وہ
ساعتیں گِنتا ہے دن گِنتا ہے
چُھٹّی کے لئے
دیکھتا رہتا ہے سپنے جاگ کر
ایر کنڈیشنڈ کمروں میں بھی کیوں گُھٹتا ہے دم

گھر کے باہر
ایک سنّاٹا ہے طاری ہر طرف
گرم لُو کے ساتھ آوارہ ہواؤں کا ہے زور
صاف ستھری چکنی سڑکوں پر
فقط کاروں کے پہیوں کا ہے شور

اس سے ہٹ کر
ہر طرف چھائی ہوئی اک خامشی
خامشی میں پھر اچانک
گونجتی پیاری اذاں
جس سے ملتا ہے ہر اک دل کو سکوں
جس کو سن کر مسجدوں میں اِک ہجوم
پھر نمازوں کے اثر سے روح بھی جاتی ہے جھوم
اور پھر اس کے علاوہ
لطف یہ تیرا فقط حرمین کی نسبت سے ہے

شہرِ جدّہ
باکمال و باہنر لوگوں سے تُو معمور ہے
جن میں شامل ہیں مرے احباب بھی

شہرِ جدّہ
مال و دولت کے لئے بھی تو بہت مشہور ہے
پھر بھی یہ احساس کیوں ہے
ہر کوئی ہے بے سہارا بے اماں

شہرِ جدّہ
پھر بھی تجھ سے چل رہا ہے زندگی کا کارواں
زیرِ گردش ہیں زمین و آسماں
اے مربّی، اے رہینِ جسم و جاں
تیری عظمت کا سبب ہیں
تارکینِ این۳ و آں

••

---

۱ متوا: مولوی جس کو احتساب کا اختیار حاصل ہے ۲ شرطہ: پولیس ۳ ہندوستانی، پاکستانی، بنگلہ دیشی وغیرہ

بغیر مانگے

یہ بارہا میرے دِل میں آیا
کہ مَیں بھی مانگوں کوئی حسیں شے
نماز پڑھ کر
تجھے پُکاروں
اور اپنے یہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر
دعائیں مانگوں

یہ بارہا میرے دِل میں آیا
کہ مَیں بھی مانگوں کوئی حسیں شے

مگر مَیں ہر بار لَوٹ آیا ہوں
سوچ کر یہ
کہ توُ تو دے دے گا جو بھی مانگوں گا
مجھ کو اس کا یقیں ہے لیکن
مجھے یہ احساس بھی ہُوا ہے
نہیں ہوں مَیں خود ہی اہلِ دُنیا
ازل سے میں تو ہوں بد سلیقہ
(دگرنہ جنت نہ چھوڑ آتا)
مَیں بارہا تیرے در پہ جاکر
بغیر مانگے ہی لَوٹ آیا
کہ مجھ کو اکثر بغیر مانگے دیا ہے توُ نے

لگاوٹ کی زنجیر

یہ مری زندگی
ٹھوکریں کھا کے بھی
حادثوں پر یونہی مسکراتی رہی
کتنی گمبھیر ہے زندگی کی لگن

اور تیری اداؤں کا یہ بانکپن
جانے کیوں مجھ پہ تھا ہر گھڑی خندہ زن
لیکن اِک آج کا حادثہ اور تھا
مَیں جو زخمی ہُوا
جانے کیوں تیرے دل میں ہوئی اِک چبھن
میری پُرسش کرائی گئی کس لئے
جب ترا مجھ سے کوئی تعلق نہ تھا
اب تو مَیں غیر ہوں
اب تو تُو بھی ہے بے شک کسی غیر کا آسرا
لیکن اب میں یہی سوچتا ہوں
محبّت کی زنجیر بھی کتنی مضبوط ہے

خلیج

تم ہو جیسے
ایک خوشبو
چاندنی راتوں کا جادو
تُندمے کا تیز نشّہ
آبشاروں کا ترنم
گیت کی لَے
دُور کی آواز
برساتوں کی رِم جھم
اِک ہوا کا شوخ جھونکا
گنگناتا دوڑتا دریا
جواں شب کا اندھیرا
پھر حَسیں جذبات کا لہرا
وہی پُر نور جاڑوں کا سویرا
اب کسی صورت یہ باتیں
سوچ کی لہروں پہ بہہ کر
یُوں خلیجِ ذہن میں
گرتی بھی ہیں تو
بحرِ دل اُن کو ڈبو دیتا ہے
تہ میں
بے خودی کی
خامشی اکہ

اجنبی خط

زندگی کے نور کی تحریر میں
خط کسی کا پا کے میں تو کھو گیا کچھ دیر تک
مہرباں ہر چیز جیسے ہو گئی تھی
دل میں یادوں کے سنہرے قافلے اُترے کہیں سے
چمپئی پھولوں کی خوشبو
دیر تک میرے خیالوں میں بسی
اٹکھیلیاں کرتی رہی حالِ زبوں سے
روشنی کی جھلملاتی خوبصورت سی کرن
میرے دروازے پہ میری منتظر ٹھہری رہی

دیر تک مَیں اپنی یادوں کے در و دیوار سے لپٹا رہا
زندگی کے نور کی تحریر میں
جانے کس کا خط ہے (یہ بھٹکا ہوا)
خوشبو سے مہکا ہوا

تخلیہ

آج تری محفل سے اُٹھ کر
سوچ رہا ہوں
مَیں تیری محفل میں اب تک بیگانہ تھا
بیگانہ ہوں

سوچ اور فکر کی راہوں سے اب
کتنے ہی الفاظ کے پیکر
ذہن کے دروازے سے ہوکر
میرے دل میں در آئے ہیں

گھر جیسے انجانے مہمانوں سے بھرا ہے
مَیں حیران کھڑا چوکھٹ پر
سوچ رہا ہوں
ان کا استقبال کروں
یا
چپکے سے خود اپنا ہی گھر خالی کردوں!

بے وقت

کالج آنے جانے میں تم
لفٹ دیا کرتی تھیں مجھ کو
کار کی پچھلی سیٹ پہ اکثر
ہائے تمہاری خوشبو سے بے قابو ہو کر
دل کی بات چھپانے کو مَیں
کھڑکی سے باہر کا منظر
بے مقصد دیکھا کرتا تھا

دل کی بات کا کہنا بھی کتنا مشکل ہے
تم بھی مَیں بھی
دونوں ہی چُپ رہ جاتے تھے
جبرِ محبت سہہ جاتے تھے

تم بھی میری قربت کی آتش میں تپ کر
اُلٹی سیدھی سانسوں پر خود
قابو پانے کی کوشش میں
اُلٹا بے قابو ہوتی تھیں
شوفر کی آواز پہ آخر
تم بھی میں بھی
دونوں ہی منزل پر آکر
شاید یہ سوچا کرتے تھے

لیکن اب وہ ساری باتیں
کتنی بے معنی لگتی ہیں
اب تو ان پچھلی باتوں کو مدت گزری
اب تو تم بے باک ہو اتنی
سامنے اپنے شوہر کے مجھ سے کہتی ہو
"ہائے تمہاری پوئٹری کتنی پیاری ہے
تم میرے پیارے شاعر ہو"
میں بھی سُن کر ہنس دیتا ہوں

اعتذار

پہلے تم نے مجھ کو چاہا
پھر لوگوں کے دکھلانے پر
دُنیا کی آنکھوں سے دیکھا
اور ٹھکرایا
کیوں کہ سب نے ٹھکرایا تھا

لیکن اب دُنیا نے مجھ کو پہچانا ہے
میری باتوں کو پرکھا ہے
میری قدر و قیمت کا احساس کیا ہے
میری عظمت کو جانا ہے

لیکن اب میں سوچ رہا ہوں
اتنا اونچا مجھ کو اٹھایا ہے خود میں نے
ہاتھ تمہارے شاید مجھ کو چھو نہ سکیں گے
اب تم کو یہ پچھتاوا ہے
کاش کبھی تم نے نہ مجھے ٹھکرایا ہوتا

کاش یہ میرے بس میں ہوتا
میں اِتنا نیچے گر جاتا
مجھ کو اٹھانے کی خاطر پھر تم کو بھی جھک جانا پڑتا
اب نہ تمہارے بس میں ہے یہ
اور نہ میرے ہی بس میں ہے
اب ہم دونوں ہی بے بس ہیں

وحشت ہی سہی

تم نے جو زخم دیئے تھے مجھ کو
ایک مدت ہوئی
وہ زخم تو اب بھر بھی چکے
لیکن اب تک بھی مجھے یاد ہے
ان زخموں کا تیکھا سا مزہ
آج پھر تم سے ملاقات ہوئی ہے میری
آج پھر قرب کے احساس کی اک شدت ہے
پھر کوئی چوٹ لگاؤ دل پر
ہاں پھر اک زخم عطا ہو تازہ
کسک اور درد کا طالب ہے جگر
کچھ تو تنہائی کا ساماں ہو تمہارے پیچھے
گھاؤ سہلانے کی لذّت ہی سہی
کچھ نہیں ہے تو یہ وحشت ہی سہی

تبدیلی

ساگر کی موجوں سے دل کی ہر دھڑکن تک
پیار کے نغمے گونج رہے تھے
دنیا کی ہر شئے نظروں میں کتنی حسیں تھی
یا یہ میرا حُسنِ نظر تھا
یا پھر ساتھ تمہارا تھا جو میں کچھ ایسا جان رہا تھا

اب تم میرے ساتھ نہیں ہو
چیز ہر اک دھندلی دھندلی ہے
یوں لگتا ہے
میرا تصوّر
حُسنِ نظر
وہ جھوٹ تھا سب کچھ
سب دھوکا تھا

انکشاف

کبھی میں نے نہ چاہا تھا
کہوں تم سے
اور اب
تم نے جو پوچھا ہے
تو سُن لو
حقیقت یہ ہے
تم بھی بے وفا ہو
میری ہی مانند

میں تمہارے لئے
زندگی کی ہزاروں گزرگاہوں سے
تنہا گرتا سنبھلتا چلا آیا تھا
ہر جگہ ہر گھڑی ایک سائے کی صورت
تمہاری لگن میرے ہمراہ تھی

آج اس منزلِ نو پہ کوئی نہیں
صرف آوارہ ٹھنڈی ہوائیں
اِدھر سے اُدھر
سنسناتی ہوئی پھر رہی ہیں
کہ اب یہ سرائے بھی
اک کہنہ ویران معبد کی صورت کھڑی ہے
مری ہر صدا گونج کر
آج مجھ سے یہی کہہ رہی ہے
کہ اب اِس جگہ پر
کوئی بھی مرا منتظر تو نہیں ہے

لاگ

محفلِ رنگ و بُو میں
مِرے گیت تم نے سُنے
شوق سے دل لگا کے
مگر دُور سے
جیسے کوئی کسی اجنبی کی کہانی سُنے
کسی ہم نفس کی زبانی سُنے

میرے بارے میں ہر بات
تم نے سُنی دوسروں سے
اور اپنی طرف سے نہ کچھ بھی کہا
اور اگر ذکر میرا کسی نے نہ تم سے کیا
تم نے پوچھا محلّے کے بچوں سے
اور جان کر حال میرا بہت مطمئن ہو گئیں

اور اب اس کو بھی ایک مدت ہوئی
اب بھی کیا گیت میرے مِرا ذکر
اسی شوق سے دل لگا کے
کسی ہم نفس کی زبانی سُنا کرتی ہو
شاید اب تو نہیں
کیا کہا — حال میرا ابھی تک سُنا کرتی ہو !!!

فصل کٹنے پر

اور پھر فصل کٹی
کھیتوں میں کھلیان سجے
گاؤں میں دھوم مچی
کئی شہنائیاں بج اٹھیں
براتیں نکلیں
اور اب کے تو زمین دار کے گھر
شہر سے آئی بڑی شان سے
دلہن کی برات

میں بھی یہ دیکھ کے خوش تھا
کہ اسی طرح سے تم بھی مرے گھر آؤ گی
شہر سے خود مری دلہن بن کر
سامنا تم سے ہوا تو یہ دلِ پُر امید
یک بہ یک ڈوب گیا
مجھ کو معلوم ہوا
تم ہی مرے گاؤں میں آئی ہو زمین دار کی دلہن بن کر

سمبل
(SYMBOL)

یہ گرد آلود چہرہ
اور بکھرے بال
یہ آنکھوں کی ویرانی
پھٹی جیبوں کی وحشت
اور یہ کیفے کی تپش
یہ بھیڑ لوگوں کی
مری تنہائی کا عالم
کوئی اپنا شناسا بھی نہیں ملتا
کسی جانب سے اس دل کو
دلاسا بھی نہیں ملتا
جدھر جاؤں اُدھر ہے ساتھ تنہائی ہی تنہائی
یہ تنہائی یہ مایوسی
تعجب ہے مجھے اب ہر کوئی عاشق سمجھتا ہے

کلب کے گوشے میں

بہت حسیں ہو
یہ بارہا تم سے کہہ چکا ہوں
تمہارا ثانی نہیں ہے کوئی
تمہاری باتیں بھی خوب صورت ہیں
یہ مَیں نے مانا کہ دل تمہارا بہت ہے نازک
ہے میرے دل میں تمہاری عزت
کہ میری تم سے بھی دوستی ہے
تمہارا احساس زود تر ہے

مگر بتاؤ
رئیس زادوں کی بیویوں کی
اُداس شاموں کا ذکر کیوں ہے
کہ جب یہاں پر ہر ایک خوش ہے

اُداس شاموں کا ذکر بے وجہ ہو رہا ہے
یہ میں نے مانا
کہ وہ حسینہ جو تنہا گوشے میں اپنا میک اَپ بنا رہی ہے
یہ ٹھیک ہے اُس کا اپنا شوہر
کئی دنوں سے (کئی برس سے)
اگرچہ لندن میں رہ رہا ہے
مگر وہ خوش ہے
ہر ایک سے ہنس کے مل رہی ہے
کہ جیسے آزاد ایک پنچھی
بتاؤ تم میں اور اُس حسینہ میں فرق کیا ہے
کہ تم تو شاید وفا کی قیدی ــــــ مگر نہیں ہو
بہت حسیں ہو
یہ بارہا تم سے کہہ چکا ہوں

———

وعدہ

سبز کھیتوں میں چراگاہوں میں
دامنِ کوہ میں
دریا کے کنارے
گھنٹوں
تم مرے ساتھ رہیں
مجھ سے کرتی رہیں تم بات مرے گاؤں کی
گاؤں کے حُسن پہ بھی تم نے کئی شعر پڑھے
اور پھر ذکر چھڑا کالج کا
شہر کی بات چلی
اور پھر دیر بہت دیر چلی پیار کی بات
کس قدر خوش تھا یہ دل
تم کو پانے کی خوشی تھی اس کو
تم مرے گاؤں میں آئی تھیں تمنّا بن کر
دیکھ کر تم کو مرے ساتھ مرے گاؤں کے لوگ
رشک سے تکتے رہے
ہائے وہ کتنے حسیں تھے لمحے
اور پھر شہر کو تم لوٹ گئیں
دوسری فصل پہ پھر آنے کا وعدہ کر کے
آج تک وعدہ وفا ہو نہ سکا
درد جو تم نے دیا
دِل سے جدا ہو نہ سکا

آزاد نظم

(فکری)

کشتیٔ نوح

نہ جانے کیوں

مرے دل کو یہ لگتا ہے

کہ پھر طوفان آئے گا

یہ دنیا ڈوب جائے گی

یہاں کوئی

نہیں باقی بچے گا

نہ انساں اور نہ حیواں

کبھی تھی نوح کی کشتی

زمیں پر

وہ کشتی

اب نہ آئے گی بچانے کو

جو اَب سیلاب آئے گا

بہا لے جائے گا

انسانیت کا سارا سرمایہ

قیامت آنے والی ہے

کہ یہ دنیا بھی

اپنی عمر پوری کر چکی ہے

حقیقت میں کبھی کی مر چکی ہے

بیگانوں کے درمیاں

نظر والے کہاں ہیں اب
سبھی اندھے ہیں
بہرے ہیں
بصیرت رکھنے والوں پر
جہاں والوں کے پہرے ہیں
میں اُن کو کیسے سمجھاؤں
دِلوں کے راز گہرے ہیں
اگرچہ دیکھے بھالے سب
ہمارے اپنے چہرے ہیں
مگر پھر بھی ہیں انجانے
مگر پھر بھی ہیں بیگانے

خواب و حقیقت

لمبی لمبی فکر کی راتیں
جیسے تاروں کی باراتیں
اُلجھی اُلجھی بہکی بہکی
جیسے دیوانوں کی باتیں

جلتے کتنے خواب ادھورے
گم ہیں کب سے
اِن راتوں کی تاریکی میں
کب سے رستہ دیکھ رہا ہوں
تعبیروں کا

نیند کی محبوبہ بھی آکر
ان راتوں کی خاموشی میں

یادوں کو مہمیز لگا کر
ذہن و دِل کو چھیڑ رہی ہے
اَب جو آنکھ کھُلی ہے میری
بدلا ہے ماحول ہی سارا
حیرت سے مَیں دیکھ رہا ہوں
نیند کی محبوبہ نے جو بھی
خواب دکھائے
ان خوابوں کا اِک اِک پَیکر
بن کے حقیقت
میرے آگے پیچھے جیسے دَوڑ رہا ہے
سوچ رہا ہوں
میری لگن کی بات کہاں تک آ پہنچی ہے

سوچ کا پرندہ

سوچ کا پرندہ بھی اِک عجب پرندہ ہے
شاخِ دل سے اُڑتے ہی
آسماں پہ جاتا ہے
آسمانِ ارماں کی
وسعتوں سے واقف ہے
سرحدِ تمنّا کو
روز چھو کے آتا ہے
شور و غُل مچاتا ہے

سوچ کا پرندہ کیوں آج اتنا بیکل ہے
اَب نشیمنِ جاں میں
جانے کیسی ہلچل ہے
زندگی کا ہر لمحہ حالتِ مسلسل ہے
زندگی کا ہر سپنہ صورتِ مکمّل ہے

سوچ کا پرندہ اب
شاخِ دل سے اُڑتے ہی
گر پڑا ہے دھرتی پر
سوچ کے پرندے کے
پنکھ سارے زخمی ہیں
کیا بتاؤں کِس کِس نے
آج اس نہتے پر
گولیاں چلائی ہیں
گولیاں تعصّب کی
گولیاں عداوت کی
گولیاں حقارت کی
ہائے ایسا لگتا ہے
اب یہ اُڑ نہیں سکتا
اس کی طاقتِ پرواز اس سے چِھن گئی گویا

سوچ کا پرندہ بھی
سوچنے کی عادت سے
ہے یہ کس قدر مجبور
اپنی ساری ہمت کو
اپنی ساری طاقت کو

زخم زخم پنکھوں میں
پھر سمیٹ لیتا ہے
پھر اُڑان بھرتا ہے
اور اس کے زخمی پَر
جِسم سے الگ ہو کر
آسماں کی وسعت میں
اِس طرح بِکھرتے ہیں
جیسے ٹوٹا اِک اِک پَر
یوں ہَوا کی کشتی پر
ڈولتا ہے لہرا کر
جیسے ہر پَر تنہا
اِک الگ پرندہ ہے
اِک الگ تمنّا ہے
اِک الگ ارادہ ہے
دیکھ لیجیئے جامیؔ
سوچ کا پرندہ بھی
کیا عجب پرندہ ہے
آج تک بھی زندہ ہے
آج تک بھی زندہ ہے

خلوص

قطرہ قطرہ
شبنم شبنم
میری جبیں پر
میرا پسینہ
کتنے موتی
میری محنت کا سرمایہ
جس کو میں نے
دھوپ میں پایا
چھاؤں میں کھویا

اس کے بعد بچا تھا جو سینے کے اندر
وہ سرمایہ
میرے دل کا
قطرہ قطرہ
شبنم شبنم
خون کے گوہر
آنسو بن کر
ان آنکھوں سے ٹپک پڑا ہے

کل اور آج

یہ دلِ ناتواں
یہ تنِ استخواں
جانے کتنی امیدوں کا تھا پاسباں
کیا اُمنگیں تھیں کیا آرزوئیں تھیں
اِس کی جواں
کتنے ہی امتحاں
اِس نے ہر حال میں مُسکرا کر دیئے
کتنے ہی معرکے
اِس نے ہنستے ہوئے سَر کیئے
زندگی جیسے اُس کے لئے کھیل تھی
اب وہی دِل
نہ جانے ہُوا اِس کو کیا
چھوٹی چھوٹی سی باتوں پہ اب رات بھر
دن میں بھی بیشتر
سوچتا رہتا ہے
اور اَب
زندگی جیسے اِس کے لئے قید ہے
اب ہنسی اِس کے چہرے سے ناپید ہے

جب کسی "اپنے" سے
لگتی ہے کوئی ٹھیس ہمیں
دِل میں اِک کیل سی گڑ جاتی ہے
ایسے لمحوں میں
سمجھ میں نہیں آتا کچھ بھی
سانس میں پھانس سی پڑ جاتی ہے
ذہن ماؤف سا ہو جاتا ہے
جانے کِس راہ میں کھو جاتا ہے
آگہی راہ بھٹک جاتی ہے
روح سولی پر لٹک جاتی ہے

نشہ

ا، ب، ج مجھ سے کہہ رہے تھے
شرافت — بے وقوفی ہے
سیاست — رہزنی کا نام ہے پیارے
گزشتہ سال جو شئے تھی مہیّا
آج عنقا ہے
مگر پھر بھی ہم آگے بڑھ رہے ہیں
بلندی کے نئے زینے پہ ہر دن چڑھ رہے ہیں
اگرچہ رات دن
عام آدمی رہ رہ کے بھوکوں مر رہا ہے
مگر پھر بھی ترقی کر رہا ہے

ا، ب، ج مجھ سے کہہ رہے تھے
خدا جانے وہ کیا کیا کہہ رہے تھے
ہمارا دیس آگے بڑھ رہا ہے
مزائل اور ایٹم بم بنا کر
بلندی کے نئے زینے پہ ہر دن چڑھ رہا ہے
ا، ب، ج مجھ سے کہہ رہے تھے
اور تینوں ہی نشے میں تھے

———

اَنا کا مرثیہ

تم اپنے آپ کو اِس عصر کا
غالبؔ کہو یا میرؔ کہہ لو
فلاطون و ارسطو کا مقابل
خود کو بتلاؤ
مناؤ جشن اپنا

مگر تم اس سے پہلے آئینہ دیکھو
نہ پہچانو اگر خود کو
تو پھر مجھ سے ملو
میں تم کو بتلاؤں
کہ تم کیا ہو
بُرا مانو بھلا مانو
یہ سچ ہے
تم اَنا کا مرثیہ ہو

آسماں نورد

شروعات میری زمیں سے ہوئی
میری مٹی میں تخلیق کی آبرو ہے
مری آرزو ہے
زمیں سے اُڑوں آسمانوں میں پہنچوں
چنانچہ مری آرزو پوری ہونے لگی ہے
قدم تو مرے چاند پر پڑ چکے ہیں
اور اَب میرا اگلا قدم
مشتری اور مریخ پر ہے
تو سمجھو نظر میں ثریا ہے میری
کہاں جا کے دم لوں گا مَیں
خود مجھے بھی نہیں علم اس کا
مگر یہ پتہ ہے
ترقی کی رَو میں
خود اپنی زمیں کو
خود اپنے کو مَیں بھولتا جا رہا ہوں
مسلسل خود اپنی انا ہی سے ٹکرا رہا ہوں

میوزیم کا عجوبہ

کہا یہ گائیڈ نے مجھ سے
یہ وہ تنہا عجائب گھر ہے
جس میں
کتنی ہی نادر انوکھی چیزیں
دنیا بھر کے ملکوں سے اکٹھا کی گئی ہیں
مرا ذوقِ نظر تھا محوِ حیرت
کہ میں بھی دم بخود تھا
ساتھ ان کے ہی جنھیں ذوقِ تماشہ کھینچ لایا تھا

کہا یہ گائیڈ نے مجھ سے
یہاں رک جائیے
ایک ایک کر کے آپ تنہا جائیے
اس کمرۂ نادر میں
ہے اک قدِ آدم آئینہ
ہر کسی کو کر کے رکھ دیتا ہے عُریاں
مگر کمرے میں جانے پر
نہیں تھا کوئی آمادہ
ٹھہر کر میں نے یہ سوچا
جو پہلے ہی سے عُریاں ہو
وہ کیا دیکھے گا آئینہ

پچھلے پہر کا خواب

دوڑ رہے ہیں کتنے سائے
اُلجھے اُلجھے سارے سائے
اک دوجے کا پیچھا کرتے
تھک سے گئے ہیں
لیکن پھر بھی دوڑ رہے ہیں

میرا سایہ
ان سایوں کی بھیڑ سے ہٹ کر
رُک سا گیا ہے
اپنے آپ کو پہچانا ہے
آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا
سر پہ سورج چڑھ آیا ہے
میں نے جانا
میں سورج کا ہم سایہ ہوں
سورج میرا ہم سایہ ہے

یہ دشت و دریا
یہ کوہ و صحرا
یہ بحر و بر
اور
ان میں جو کچھ ہے
فتح کرنے کے بعد میں نے
فلک کی جانب کمند پھینکی
تو میرے قبضے میں
چاند سورج خلا ستارے
تمام سیّارے آ گئے ہیں
یہ سب کے سب آج میری فے ہیں

مگر مرا گھر جہاں میں رہتا ہوں
میری فے میں نہیں ہے شامل
یہیں پہ آ کر شکست کھائی ہے میرے دل نے

---

۱ فے کے معنیٰ مفتوحہ سرزمین کے ہیں۔

سیاستِ جبہ و دستار

میں کس سے ذکر کروں
اپنی فکرِ ہستی کا
میں کس سے رشتہ نبھاہوں
تقاضے جسم کے کچھ ہیں
تو روح کے کچھ ہیں

نظارے اور تماشے کا فرق کس سے کہوں
نظر کو خیرہ کروں دل کو صبر کی تلقین
خلوصِ دل بھی ہے پاسنگِ سیم و زر اس جا
دل و نظر کے تفاوت کو کس طرح پاٹوں
عقیدے بنتے بگڑتے ہیں چند لمحوں میں
اصول ٹوٹتے رہتے ہیں مصلحت کے لئے
قبا، و جُبّہ و دستار کی اماں پاکر
شکست کھاتا ہے ایمان، اہلِ ایماں کا
ریا کے دور میں جینے کی نیک خواہش بھی
خدا کے نام ریا کاریوں کی نذر ہوئی
میں بے عمل سہی لیکن سیاہ کار نہیں

میں اہلِ دیں کی سیاست سے منحرف ہوکر
یہ سوچتا ہوں کہ اب اپنی فکر و حرکت سے
اُٹھاؤں دین کا فتنہ
کہ زندگی کی صداقت کی پیروی کرلوں
کہ مصلحت مجھے گھیرے ہوئے ہے چاروں طرف
وجود میرا بھٹکتا ہے بے اماں ہوکر
میں کس سے ذکر کروں اپنی قیدِ ہستی کا
تقاضے جسم کے کچھ ہیں
تو روح کے کچھ ہیں

زمیں کی کوکھ کو بنجر سمجھ کر
(جو مگر بنجر نہیں تھی)
کیمیائی تجربے کرتے رہے اس میں
انوکھے بیج بو کر
وقت سے پہلے توقع کی کہ پھل آئیں
تو پھر ایسا ہُوا
اس کا نتیجہ اور ہی کچھ تھا
مگر جاہل کسانوں نے
جہاں بنجر زمیں تھی
کھود کر اپنے پسینے سے اُسے زرخیز کر ڈالا
وہاں کچھ جانے بُوجھے بیج بو ڈالے
ہُوئی برسات تو پھر
کونپلوں نے سر اُبھارا
پُھول کِھل اُٹھے
اور اس کے بعد پھل آئے
تو سارے لوگ حیراں تھے
مگر اخبار کی سرخی یہی تھی
تجربہ بنجر زمیں کا کامیاب و کامراں ٹھہرا
یہ پڑھ کر میں بھی حیراں تھا

محبت گنگناتی ہے

جبینوں پر حکایاتِ حزیں کے نقش
چہروں پر خطوطِ نفرت و تحقیر
دل مجروح احساسات پژمردہ
کوئی تو آگ کے شعلوں کو روکے
رہروؤں کو راہ سے دوزخ کی پلٹا دے
تجلی بخش دے ذہنوں کو غور و فکر کی
پھولوں کی نکہت دے خیالوں کو
دلوں کو آئینہ کر دے
محبّت کی جوالا کے دہن کو کھول دے
امن و سکوں کی راہ دکھلا دے
یہی اک راستہ ہے جس پہ چل کر
زندگی انسانیت کے گیت گاتی ہے
محبّت گنگناتی ہے

فیصلہ

زندگی خود بھی ہے اک سمجھوتہ
کاش اس دل کو یقیں ہو سکتا
یوں دلاسوں کے سہارے اب تک
میں نے اِس دل کو سنبھالا لیکن
اب مِرے دل کی لگن چاہتی ہے
پھر کوئی حشر بپا ہو جس میں
فیصلہ دل کا مِرے ہو جائے
چاہے جیسے بھی ہو جس طرح بھی ہو

———

آیئنہ در آیئنہ

یہاں ہر شخص کا چہرہ مثالِ آیئنہ ہے
نظر ہے تو پڑھو مکتوبِ چہرہ
غنیمت ہے زباں چُپ ہے
وگرنہ چہرے پڑھ کر جانے کیا اظہار ہو جاتا

زباں سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے
نگاہوں کی ضرورت ہے حقیقت جاننے کو
نگاہیں جب کسی چہرے پہ پڑتی ہیں
تو چہرہ خود ہی بول اُٹھتا ہے
حالِ اندروں کیا ہے

بظاہر آیئنہ تو بے زباں ہے
زبانِ حال سے دل کی حقیقت کھول دیتا ہے
یہاں ہر شخص کا چہرہ مثالِ آیئنہ ہے
اور آنکھیں آیئنہ در آیئنہ ہیں
اگر ہے دیکھنے کی تاب دیکھو

بصارت ہے جو آنکھوں میں تو دیکھو
حقیقت کھُل کے آئے گی
کہ یہ چہرے کتابیں ہیں
پڑھو ان میں لکھی ہے آپ بیتی
زندگی کی

کسی چہرے کا جب بھی سامنا ہوتا ہے
آئینے سے ٹکراتا ہے آئینہ
تو یُوں محسوس ہوتا ہے
کہ میں بھی
بے لباس اس کی نگاہوں میں ہُوا ہوں
کہ اس نے پھیر لی ہیں مجھ سے آنکھیں
یہ آنکھیں آئینہ خانہ ہیں
جن میں ہر طرف میرا ہی چہرہ ہے

لفظ

لفظ پتھر ہیں بہت تیز نکیلے پتھر
جب برستے ہیں
تو پڑتی ہے دل و ذہن پہ چوٹ
ایسے عالم میں
سوا ہوتا ہے غمِ پُرسِش کا
وحشتِ دل کا تقاضہ ہے
کہ پُرسِش کی بجائے
اور برساؤ نکیلے پتھر
تاکہ ان زخموں سے بہہ جائے لہو نفرت کا
اب تقاضہ ہے یہی وحشت کا

زخم جلتے ہیں تو تکلیف بھی بڑھ جاتی ہے
اور پھر ہوتی ہے مرہم کی طلب
پھر یہ احساس پکار اُٹھتا ہے
لفظ پتھر سہی خنجر سہی
نشتر بھی تو ہیں
لفظ پھاہا بھی ہیں مرہم بھی تو ہیں
جن سے پڑ جاتی ہے ان زخموں پہ اک ٹھنڈک سی
جن سے بجھ جاتا ہے تنہائی کا یہ جلتا الاؤ
پھول بن جاتے ہیں گھاؤ

تفاوت

میں یہ کہتا ہوں
دنیا میں پیسہ ہی سب کچھ نہیں
علم و دانش بھی شعر و سخن بھی کوئی چیز ہے
حکمت و فلسفہ، فکر و فن بھی کوئی چیز ہے
اصل میں آدمیت بڑی چیز ہے

سچ تو یہ ہے میاں علم و فن تجربہ، حکمت و فلسفہ
سب ہیں اپنی جگہ
آدمی آدمی میں بڑا فرق ہے
وہ تو چھوٹا ہے سب کی نظر میں
جو مفلس ہے کمزور ہے
وہ بڑا ہے یہاں
جس کے کیسہ میں پیسہ بھرا ہے
وہ ہر حال میں ہے بڑا
وہ بڑا ہے
ہر اک بات میں
دن میں اور رات میں
نور و ظلمات میں

اعلیٰ ادنیٰ میں ہر ذات میں
تم نے جاؔمی، کہا تھا مجھے
سچ کی کوئی یہاں قدر و قیمت نہیں
ہر بھلے آدمی کی یہاں کوئی عزت نہیں
جھوٹ، دھوکہ دہی، چور بازاری کا
ہر قدم پر ہے دیکھو یہاں سامنا
تم اکیلے یہاں کس کس سے لڑو گے بھلا
ایک دن تم ہی خود تھک کے رہ جاؤ گے
تم بھی اِک روز طوفاں میں بہہ جاؤ گے

مَیں نے ہاری نہیں اپنی ہمت ابھی
لڑ رہا ہوں ابھی اپنے حالات سے
دن سے اور رات سے
نور و ظلمات سے
ایک دن جیت ہو کر رہے گی مری
مَیں یہ کہتا ہوں
دنیا میں پیسہ ہی سب کچھ نہیں
یہ حقیقت بڑی چیز ہے
اصل میں آدمیت بڑی چیز ہے

سرگوشیاں

یہ اندھیروں کی سرگوشیاں
ان اُجالوں کے بارے میں
جو میرے حصے میں آئے ہوئے ہیں
بہت تیز تر ہیں

اور اب میں بھی چپکے سے سرگوشیوں کو
(ذرا ان اندھیروں سے ہٹ کر)
کھڑا سُن رہا ہوں
بمگر مطمئن ہوں
مجھے ان کی سازش سے خطرہ نہیں ہے
کہ مَیں تیرہ راہوں سے واقف ہوں
جن میں کئی قافلے کھو گئے ہیں
مگر مَیں بہرحال ان تیرہ راہوں میں
کھو کر بھی اک روشنی پا گیا ہوں
بھٹک کر خود اپنا ہی رہبر بنا ہوں
کئی منزلوں کے نشاں جانتا ہوں

مری جستجو میرا حاصل ہے
میں راہبر ہوں

اور اب یہ اندھیروں کی سرگوشیاں
ان اُجالوں کے بارے میں
جو میرے حصے میں آئے ہوئے ہیں
جنھیں میں نے اپنے تجسّس سے حاصل کیا ہے
بہت تیز تھیں
لیکن اب تیز سے تیز تر ہو چکی ہیں
اور ان کے مقابل اندھیرے سے لڑنے کو
میرا تجسّس
بہت تیز تر ہے

زندگی

یہ زندگی اک حسین قاتل ہے
جس کے پہلو میں
کتنے خنجر چھُپے ہوئے ہیں
بنا کے بے خود جو وار کرتی ہے
خامشی سے

اور اس کے برعکس
کتنے ناداں ہیں
وہ جو گھایل ہیں
چوٹ کھا کر
تڑپ رہے ہیں

مگر جو بینا ہے
وہ جو دانا ہے
وار سہتا ہے
اور پھر
اُٹھ کے وار کرتا ہے زندگی پر
پھر اس سے یہ زندگی
یہ ظالم بھی پیار کرتی ہے زیر ہو کر

مَیں اُن کے زخموں پہ رکھ کے مرہم
یہ کہہ رہا ہوں
اُٹھو کہ اب بھی ہے وقت سنبھلو
سنبھل کے اک وار تم بھی کر دو
زندگی پر
کہ زندگی خود بھی چاہتی ہے
کہ کوئی اس کو پچھاڑ دے
اس کو زیر کر لے

نارسیدہ

دربدر شام و سحر آوارگی ہے
مجھ کو ہر اک راہ میں وحشت ملی ہے
اور ہر منزل یہی کہتی رہی ہے
تم مسافر بے سر و ساماں
یہاں ٹھہرو گے کب تک

اور اب میں نے یہی سمجھا ہے
میری کوئی بھی منزل نہیں ہے
میرے حصّے میں سکونِ دل نہیں ہے

کھلنڈرا

اُلٹی سیدھی باتیں کہہ کر خوش ہوتا تھا
جب بھی اس کی باتیں کوئی جھٹلاتا تھا
اُڑ جاتا تھا
جب بھی کوئی اس کو پکڑتا ہاتھ نہ آتا
ریت کے ٹیلے سے وہ پھسل کر
یوں کہتا تھا
یہ ہے سمندر
دن میں اکثر
غصّہ ہوکر
سورج سے کُشتی لڑتا تھا
رات میں پی کر
چاند کو اپنے گلے لگا کر رو پڑتا تھا
اور پھر خود ہی ہنس دیتا تھا
لیکن اب وہ یوں کہتا ہے
شہرِ وفا میں سنّاٹا ہی سنّاٹا ہے
خاموشی بھی چیخ پڑی ہے
روشنی بڑھ کر سایوں سے کچھ بول رہی ہے
تنہائی میں سازش کے پَر کھول رہی ہے
گمنامی شہرت کے پیچھے بھاگ رہی ہے
ہر سونے والے کی قسمت جاگ رہی ہے

آزمائش

مجھے زندگی نے بہت آزمایا ہے
ہر بار میں اس کی ہر آزمائش کو
اک نعرۂ شوق دیتا رہا ہوں
اسی طرح طوفاں میں
کشتیِ محبّت کی کھیتا رہا ہوں
کبھی کوئی موجِ بلا آگئی ہے
تو میری وفا نے سہارا دیا ہے
کبھی کوئی طوفاں اُٹھا ہے
تو ساحل نے آواز دی ہے
یونہی میں تھپیڑوں سے لڑتا ہوا
تیز دھاروں سے زور آزماتا ہوا
اپنی کشتی کو کھیتا رہا ہوں

اور اب موجِ طوفاں بھی
تنگ آکے ساحل پہ مجھ کو پٹک کر
بہت مطمئن ہے

ہاتھ میں اندھے کے لاٹھی ہے

دکانوں میں سبھی اشیاء کی قیمت
وسعتِ جیب و گریباں کی حکایت سے
بہت اونچی ہے
پھر بھی
ہر کوئی بازار میں آکر
اَدا اپنی دکھاتا ہے
مُسلسل چوٹ کھاتا ہے

صحافت اپنے بخیے کرنے لگتی ہے
سیاست اپنی آزادی کے ماتم میں ہُوا کرتی ہے ہڑتالی
"یہ شہرِ حسن" کی کہنہ روایت ہے
یہاں ہر آنکھ والا اپنی بینائی پہ روتا ہے
یہاں لاٹھی ہے جس کی بھینس اُس کی ہے
مزے کی بات یہ ہے
ہاتھ میں اندھے کے لاٹھی ہے

———

راستوں کے لب پہ یہ دلکش دُکانوں کی قطار
ان دکانوں میں سبھی اشیا
کہ جن میں دل لُبھانے کے کئی سامان ہیں
مرد کا دل آزمانے کے کئی سامان ہیں
خوبصورت، ماہ پیکر، مہ جبینوں نازنینوں کے لئے
رنگ و بُو کے قافلے
کس قدر ہیں بے ضرورت زندگی کے مشغلے

اور مَیں اس رہگزر کے موڑ پر ہوں دیر سے ٹھہرا ہُوا
میرا نمبر کیو کے بیچوں بیچ ہے
کل کی صورت آج بھی
پھر کل پہ جاکر ٹل گئی غلّے کی بات
ہم غریبوں کے لئے مشکل ہے اب جینے کی بات
میرا نمبر آتے آتے ہوگئی دوکان بند

پتھّر کا قہقہہ

زمیں سے بھٹک کر خلاؤں میں پہنچا
تو آواز میری
مجھے ہی بہت اجنبی سی لگی تھی
یہاں مجھ پہ تنہائی ہنسنے لگی تھی
خلا میں مرا دم گھٹا جا رہا تھا
میں پھر لوٹ آیا زمیں پر

یہاں میں نے دیکھا
بدلتا ہوا دن، بدلتی ہوئی رات کا سامنا تھا
نئے ذہن و دل کے بہکتے خیالات کا سامنا تھا
کہ ہر سو نئی بات کا سامنا تھا
کہ صدیوں پرانی حکایات کا سامنا تھا

میں حیران و ششدر کھڑا دیکھتا تھا
زمیں پر مجھے اب
کوئی جانتا تھا نہ پہچانتا تھا
میں جب چیخ اٹھا تو آواز میری
چٹانوں میں گونجا ہوا قہقہہ تھی

آنکھ کو نُور مِلا
نُور سے اِک طور جَلا
اور پھر پھیل گئی حُسن کی اک شوخ ضیاء
اور پھر کتنے ہی جلووں سے منوّر ہوا دل
اور پھر دِل نے محبّت کے ترانے گائے
جانے پھر کیا ہوا
اک حادثہ
تیرہ ہے جہاں دل ہے خموش

کنواں

خموشی کے کنویں سے
زندگی نے سر اُبھارا تھا
تو میں نے اس کی گہرائی کو ناپا تھا
کنواں گہرا بہت تھا
اس میں پانی کا نشاں
جو زندگانی کی علامت تھا
بس اک بالشت
یا اس سے بھی کچھ کم تھا
مگر اس تہ بہ تہ دھرتی کے نیچے
اور پانی تھا
وہ پانی اجنبی بن کر
نہ جانے کس پرت کس تہ میں
پوشیدہ ہُوا آخر
تعاقب ہی میں اُس کی
کتنی گہرائی میں اُترا تھا
کہ میری چیخ اوپر تک نہیں پہنچی

آواز کی پہچان

پکارو مجھے
میں تو آواز ہی سے تمہیں جانتا ہوں
صرف آواز ہی سے
میں اپنے پرائے کو پہچانتا ہوں
اگرچہ میں بینا ہوں
پھر بھی
مرے سامنے جتنے چہرے ہیں
سب اجنبی ہیں
کوئی اِن میں
اصلی کسی کا بھی چہرہ نہیں ہے
مگر بول اٹھتا ہے جب کوئی چہرہ
تو آواز اس کی
بتاتی ہے مجھ کو
اسی سنگ بستہ زمیں پر
اُجالوں اندھیروں میں اک فاصلہ ہے
صرف آواز ہی سے
میں اپنے پرائے کو پہچانتا ہوں

فرعونِ عصر

(امریکی سامراج کی نذر)

محبّت کے لئے
گردُوں سے تارے توڑ لاتا تھا
پہاڑوں میں
سُرنگیں کھود کر نہریں بہاتا تھا
جو صحرا میں بھٹکتا تھا
وفا کے نام کی خاطر
وہ دیوانہ
یہی انسان ہی تو تھا

مگر اب یہ
ہوا کا رُخ بدل کر
آسماں کو فتح کر کے
زیر کر کے ان خلاؤں کو

خدا کی بستیوں میں بسنے والے
بے خطاؤں بے گناہوں پر
اٹل طاقت کی اپنی آزمائش کر رہا ہے
بموں کی ان پہ یورش کر رہا ہے
خدا کی بستیاں برباد کرنے پر تُلا ہے

وہ جوئے شیر اب ہے خشک ساری
وہ نخلستاں بھی ویراں ہو گیا ہے
یہی انسان ہے
جس کی محبت کا فسانہ تھا ہر اک لب پر
مگر اب
اس کو نفرت ہے محبّت سے
شرافت سے مروّت سے عداوت ہے
اب اس ماحول میں
جینے کی خاطر روز مرتا ہے
سحر تک
موت کو باہنوں میں لے کر رقص کرتا ہے

آبرو نشانے کی

ہدف ہدف ہے گریزاں کہ تیر بے ہنراں
چلے اگر تو زمانہ لہو لہو ٹھہرے
قتیلِ وقت ہے حیراں، کماں سے چھوٹا ہوا
کوئی بھی تیر نشانے پہ کیوں نہیں پہنچا

مگر ہم اہلِ ہُنر کا یہی رہا دعویٰ
ہمارے ہاتھ سے جب جب کھنچے ہیں تیر و کماں
نشانہ خود ہُوا اپنے نصیب پر خنداں
فقیہہ شہر بھی بل کھا کے رہ گیا تنہا

ہے محتسب جو کوئی آئے روبرو ٹھہرے
کوئی ہو بات کوئی ہم سے گفتگو ٹھہرے
پلائے ساقی تو پاکی رہے وضو ٹھہرے
تلاش حق کی رہے حق کی جُستجو ٹھہرے
وہ اپنا دوست رہے یا کوئی عدو ٹھہرے
اگرچہ ہاتھ میں تیرِ ہُنر ہے بے ساماں
کماں ملے تو نشانے کی آبرو ٹھہرے
ہدف ہدف ہے گریزاں یہ آرزو ٹھہرے

اندھیروں کا زوال

طلوع اب جو ہوا آفتابِ عہدِ نَو
اُفق اُفق سے برسنے لگا ہے نُور ہی نور
جو تیرگی تھی وہ چھٹنے لگی ہے چاروں طرف
یہ سیلِ نور کہ تھے جس کے منتظر ہم سب
حیاتِ نَو کے فسانے سنا رہا ہے ہمیں

اندھیرا پھر بھی اندھیرا ہے اس کا دعویٰ کیا
مِٹا نہ دے جو اندھیرے کو وہ اُجالا کیا
شکست کھا کے اندھیروں نے سر جھکایا ہے
جمالِ نُور نے اپنا عروج پایا ہے
زوال اندھیروں کو آیا ہے بے شک آیا ہے

منجنیقِ ناموس

اندھیرا مکر و ریا کے قلعے میں بند ہو کر
مقابلہ کر رہا ہے مجھ سے
مرا تفحص مرا تدبّر
محاصرہ کر کے اس کے اطراف خیمہ زن ہے
مگر کوئی راہ کوئی دروازہ
وا نہیں ہے
کہ چاروں موسم گزر چکے ہیں
ہزار کوشش پہ بھی ابھی تک
کوئی بھی مخبر نہ ہاتھ آیا
جو اپنی سازش سے کھول دے
رات کی رات
بند قلعہ کا آہنی در

اور اب مرا منجنیقِ ناموس
اس پہ یلغار کر چکا ہے
تو ٹوٹ کر گر چکی ہے یکسر فصیل اس کی
کہ ٹوٹ کر گر چکا ہے اک سمت
بند قلعہ کا آہنی در

اور اب جو فاتح کی حیثیت سے ہُوا ہوں داخل
تو سارے قلعے میں مَیں ہی مَیں ہوں
کوئی نہیں ہے مِرے مقابل
مگر تلاشِ تفحصانہ نے بھید پایا
کہ اس کے تہہ خانے میں بھی کوئی ہے چور رستہ
یہ چور رستہ کھُلا ہوا ہے
اندھیرا پھر میری دسترس سے نکل رہا تھا
مِرے تفحص مرے تدبر نے
آخری وار اس پہ کر کے
اندھیرے کی لاش اپنے کاندھے پہ لاد لی ہے
پلٹ کے دیکھا تو میرے ہمراہ صبح صادق کی روشنی ہے

جیون کے اندھے رستے پر
چلنے سے من گھبراتا ہے
اندھیاروں کا راج ہے ہر سو
کون یہاں رہ دِکھلاتا ہے
کون یہاں من بہلاتا ہے
سب کو اپنی اپنی پڑی ہے
سُکھ میں سب نے پیار جتایا
دُکھ میں کوئی پاس نہ آیا
کیسا ہے بے درد زمانہ
میرا ہی من ہے دیوانہ

سلگتی شام کے اس ملگجے اُجالے میں
نہ جانے کتنے ہی سائے اُبھر کے بکھرے ہیں
نہ جانے کتنے ہی انجان اجنبی چہرے
بہ چشمِ طنز مِرے راستے سے گزرے ہیں

میں سوچتا ہوں کہ دیوانگی مِرے دل کی
تمھاری راہ میں اس انتظار کی سوگند
مِرے حواس کو دیوانہ کر کے چھوڑے گی
ذرا سی بات کا افسانہ کر کے چھوڑے گی

موج اور چٹّان

یُونہی گزرتی تو ٹھیک رہتا
مگر پھر اب اک نئے سرے سے
ہوا ہے تم سے مِرا تعارف
تمہارے سرتاج نے یہ کہہ کر
تمہیں ملایا ہے مجھ سے لا کر
یہی ہیں جامی یہی ہیں شاعر
یہ بے زبانوں کی اِک زباں ہیں

تمہارے بارے میں یہ بتایا
کہ تم مرے فن کی قدرداں ہو
کہ "فین" ہو میری غائبانہ
مرے تعارف پہ مجھ سے مل کر
کیا ہے تم نے بھی ایسا ظاہر
کہ مجھ سے پہلے پہل مِلی ہو

مِلا کے تم مجھ سے دستِ نازک
بزورِ احساس گرمیٔ دل
ٹھہر ٹھہر کر پگھل رہی ہو
اور ایک لمحے کو آج میں نے
کیا ہے محسوس تم سے مل کر
کہ اک سمندر کی موج ہو تم
میں ایک چٹّان بن گیا ہوں

آفس ٹائم

ہر طرف راہ میں ملے ہم کو
آشنا اور اجنبی چہرے
سب سے بیگانہ وار ہم گزرے

اور پھر اس قدر رہے مصروف
زندگی کے نگار خانے میں
کس نے کیا کہہ دیا پتہ نہ چلا
گو بجتی ہی رہی فقط آواز
ایک بے ربط شور ہر لمحہ
ہم بھی سنتے رہے زمانے میں
سنسناتی رہی فضائے بسیط
دن اسی طرح جیسے بیت گیا

رات میں جب ملی ہمیں فرصت
ہم نے سوچا کہ ہم بھی عاشق ہیں
نازنینوں کے مہ جبینوں کے
عشق ہم کو ہے ہر حسیں بت سے
حسن پر حق ہمیں بھی حاصل ہے
ہے ہمارے جنوں کا آئینہ
زندگی نام ہے محبت کا
ہم محبت کے گیت گاتے ہیں

نام لے لے کے جو بھی یاد آئے
عشق اس سے جتاتے جاتے ہیں
ہم کو ان سے نہیں کوئی امید
"جو نہیں جانتے وفا کیا ہے"
عشق و مستی ہمارا شیوہ ہے
ہم تو بس حسن کے پجاری ہیں
جو حسیں شئے ہے وہ ہماری ہے

صبح اٹھے تو اس طرح اٹھے
صرف آفس کا ٹائم یاد رہا
آج پھر دیر ہو گئی ہم کو
آج پھر بس نہیں ملے گی ہمیں
آج پھر سائکل پہ جانا ہے
رات کے سارے خواب بھول گئے
جو حسیں شئے ہے اجنبی سی ہے
راہ میں روز کی طرح سے ملے
آشنا اور اجنبی چہرے
سب سے بیگانہ وار ہم گزرے

پکّی عمر کے کچّے سپنے

شہرِ وفا میں
ارمانوں کے دروازے پر
سپنوں کی بارات سجا کر
آنکھوں کی دہلیز پہ کب سے
آس کنواری لڑکی جیسے
بَن ٹھن کر خود ہی شرمائے
اور کبھی چنچل لمحوں کی بات میں آکر
رہ رہ کر بے خود ہو جائے
یوں تن من کا ہوش گنوا کر
راہ تکے اُس شہزادی کی
جس کا نام کہانی کا عنوان سدا تھا
جو بچپن اور شوخ جوانی کی سرحد پر
اکثر سپنوں میں آتی تھی
اب بھی اس کا نام چھپا کر
پکّی عمر میں کچّے سپنے
دیکھنے کی اک عادت سی ہے
یہ عادت بھی کتنی اچھی کتنی بھلی ہے

فریبِ مُسلسل

(۱)

میں نے کوشش یہ کی تھی اپنا غم
دوسروں کے دلوں پہ بار نہ ہو
اور چاہا تھا دوسروں کا غم
مَیں ہی کچھ کر سکوں تو دُور کروں

(۲)

کون ہوتا ہے غم میں دل کے قریں
اک فریبِ نظر ہے دُنیا بھی
زندگی خود بھی ایک دھوکا ہے
خواب ہے اِک حسیں شکستہ خواب
کتنے پہلو ہیں اِس ستم گر کے
آج اِک رنگ ہے تو کل اِک رنگ
آج اور کل میں بھی نہیں آہنگ

(۳)

کتنی جلدی بدلتی جاتی ہیں
بنتی جاتی ہیں مِٹتی جاتی ہیں
زندگی کی عجب ہیں تصویریں

(۴)

اور اب سہہ رہا ہوں مَیں تنہا
سارا غم بن گیا ہے افسانہ
سادہ لوحی پہ اب مری مجھ کو
لوگ کہنے لگے ہیں دیوانہ

فیکٹری کا سائرن

سائرن کی آواز پہ میرے کان لگے ہیں
سائکل کے پہیوں سے رستہ لپٹ گیا ہے
پاؤں میرے پیڈل پر یوں گھوم رہے ہیں
جیسے وقت کی حرکت میرے پاؤں میں ہے
پھر بھی اکثر وقت سے مَیں پیچھے ہی رہا ہوں
یُوں بھی ہوا ہے وقت سے پہلے مَیں پہنچا ہوں
آنے جانے والے چہرے دُھندلے سے ہیں
ساری تگ و دَو بھوک مِٹانے کی خاطر ہے
سارے نغمے سائرن کی آواز میں گُم ہیں
حُسن کو اس پر مجھ سے گِلہ ہے تو کیا کیجے
ہائے کسی نے خوب کہا ہے پیٹ بُرا ہے

حوصلہ

ہم اسیرانِ غمِ عشق کی جانب سے کبھی
حُسن کے نام جو پیغام ہی دینا ٹھہرا
روشنائی کی ضرورت نہیں خوں کافی ہے
ٹوٹ جائے جو قلم اُنگلیاں کام آئیں گی

ہاتھ رکھنے بھی نہیں دیتے ہیں یہ زخم مرے
ہاتھ رکھا ہی تھا جتلا دیا "زحمت نہ کرو"
زخم کے ساتھ ہر اک تارِ رَفو بول اُٹھا
نیشتر چھُوٹ گیا ہاتھ سے چارہ گر کے

دل کی آواز دبی ہے نہ دبے گی یارو
اک دہن بند کیا ہر بُنِ مو بول اُٹھا
جام ٹوٹا ہے تو آواز اُٹھی ہے کوئی
میکدہ گونجا ہے جب گِر کے سبو بول اُٹھا

احتساب

میری اچھائی بُرائی تولنے والو مِرے!
سارا سرمایہ مِرا اب ہے تمہارے سامنے
مُجھ کو اچھا کہنے والے چند ہیں اہلِ خرد
تُم تو ہو اہلِ نظر تولو ترازو میں مجھے
کِس قدر رکھا ہے میرے دل نے قابو میں مجھے
مَیں نے جو کچھ بھی کیا سب ہے تمہارے سامنے
نیک و بَد اچھا بُرا سب ہے تمہارے سامنے
تم نے جب اچھا کہا تو میں نے اچھا ہی کیا
تم نے جب روکا مجھے بے ساختہ مَیں رُک گیا
میری کمزوری بھی تم ہو! میری طاقت بھی ہو تم
میری رسوائی بھی تم ہو، میری عزت بھی ہو تم
بے قراری بھی ہو میری، میری راحت بھی ہو تم
میری پستی بھی ہو تم ہی میری رفعت بھی ہو تم
اب تو سب کچھ ہے تمہاری ہی ترازو میں دھرا
اب بتا دو مَیں کہ اچھا ہُوں بُرا ہُوں مَیں ہُوں کیا

میری کمزوری بھی تم ہو میری طاقت بھی ہو تم
میری رسوائی بھی تم ہو میری عزت بھی ہو تم

منظر و پس منظر

کیا ہوائیں چلی ہیں اب کے بھی
کیسی طوفانی اب کے بارش تھی
بام و در ٹوٹ کر گرے کتنے
لوگ بے آسرا ہوئے کتنے
اور یہ سلسلہ تباہی کا
ایک مدت سے ہے یونہی برپا
گرتے رہتے ہیں بام و در ہر سال
بنتے رہتے ہیں پھر بھی گھر ہر سال

اور اس سال مَیں نے یہ دیکھا
اِک تماشہ خدا کی قدرت کا
جس جگہ اِک پرانی کٹیا تھی
وہ جو بنتی تھی ٹوٹ کر ہر سال
اب اسی جا پہ بن رہی ہے نئی
اِک عمارت بڑی عظیم الشان

اور دیکھا یہ میں نے حیرت سے
کوئی اِس پر یقیں کرے نہ کرے
آج اس کے بنانے والوں میں
بوجھ سر پر اُٹھانے والوں میں
وہ بھی شامل ہے جھونپڑی کا مکیں
جس کی اِملاک تھی کبھی یہ زمیں

آبروئے حیات کی خاطر
پی کے زہرِ وفا کے جام کئی
ہم لٹے ہیں بھری بہاروں میں
نام لے کر کوئی نہیں کہتا
اب بھلا کس طرح گزرتی ہے
زندگی غم کے خارزاروں میں
آرزوؤں کی رات کی خاطر
پھر سے لکھے گئے ہیں نام کئی
آج اِک بار پھر ہزاروں میں
ہائے ہر شخص ہے یہاں تنہا
کس کو دُنیا تلاش کرتی ہے
آج کھوئے ہوئے نظاروں میں

لاکھ ڈھونڈو پتہ نہیں ملتا
ہائے جو کھو گیا نہیں ملتا

اعتراف

ذہنِ رَسا تیری باتوں پر
یوں تو ہم نے غور کیا ہے
لیکن دل بھی کچھ کہتا تھا
اُس کا کہا سُننا ہی پڑا ہے

اب اِس کو جو چاہے کہہ لو
فرطِ جنوں یا دیوانہ پن
پیار کیا ہے مَیں نے اُس سے
ذہنِ رَسا تیری باتوں پر
یوں تو مَیں نے غور کیا ہے

خط

میں نے اک خط جو تم کو لکھا تھا
ایک مدت کے بعد گھوم کے وہ
آج پھر مجھ کو واپس آیا ہے
کتنی مہریں لگی ہیں اس خط پر
کتنے در کتنے شہر گھوما ہے
جانے کس کس کے ہاتھ میں جا کر
آج پھر میرے ہاتھ آیا ہے
میں بھی اس طرح پڑھ رہا ہوں اسے
جیسے اک اجنبی کا خط ہو یہ
ایک اک لفظ ایک اک جملہ
جیسے میرا نہیں پرایا ہے
خط مرا مجھ کو واپس آیا ہے۔

محیط

سمت اوپر کی ہے تو میرے لئے
سمت نیچے کی ہے تو میرے لئے
سمت دائیں کی ہے تو میرے لئے
سمت بائیں کی ہے تو میرے لئے

سمت اوپر کی اور دائیں کی
سمت دائیں کی اور نیچے کی
سمت نیچے کی اور بائیں کی
سمت بائیں کی اور اوپر کی

آج تک شش جہات کے اندر
ہشت اسمات میں نے پائی ہیں
سمت ان میں نہیں کوئی بھی مری
میں الگ سمت آپ اپنی ہوں
ساری اسمات پر محیط ہوں میں

نُور و ظُلمت کے درمیاں

قمقمے فکر و فن کے روشن ہیں
رات کا بے پناہ سناّٹا
عرصۂ ذہن پر ہے چھایا ہوا
دل کی آوارگی کو کیا کہیئے
بزم میں بیٹھ کر بھی تنہا ہے
دل کی تیرہ شبی کو کیا کہئے
نور کا مختصر سا گھیرا ہے
اِس سے ہٹئے تو گھپ اندھیرا ہے

معذرت

تم نے کیوں آج سرِ راہ کیا مجھ کو سلام
بے تعلق ہی گزرتیں تو بہت اچھا تھا
آج پھر تم سے تعلق کا خیال آتا ہے

جانے کیا سوچا ہے تم نے مجھے معلوم نہیں
میں نے سوچا ہے کہ اب تم سے رہ و رسم نہ ہو
کیوں کہ اب غیر ہو تم، غیر سے رشتہ کیا ہے
یوں بھی تنہائی مری اب نہ اجازت دے گی
کوئی در آئے مرے پیار کے ویرانے میں

بہت مصروف میں رہتا ہوں لیکن
مجھے محسوس یوں ہوتا ہے جیسے
مری مصروفیت اپنی نہیں ہے

کبھی ملتی ہے فرصت سوچنے کی
تو دنیا بھر کی باتیں سوچتا ہوں
نہیں جن کا بظاہر کوئی رشتہ
خود اپنی ذات اپنی شخصیت سے

مرے احباب اکثر سوچتے ہیں
بہت مصروف میں رہتا ہوں یوں بھی
بہت کم منہ سے اپنے بولتا ہوں
مرے احباب سچ ہی سوچتے ہیں

مگر جب بھی مجھے ملتی ہے فرصت
مَیں دنیا بھر کی باتیں سوچتا ہوں
زباں سے کچھ نہیں کہتا ہوں لیکن
قلم میرا کہا کرتا ہے سب کچھ
میں جب اپنے قلم سے بولتا ہوں
مری آواز بھی لگتی ہے جیسے
مری آواز اپنی ہی نہیں ہے
زمانے بھر کی آوازیں ہیں جن میں
مری بھی چیخ شامل ہو گئی ہے
کہ اک تاریخ شامل ہو گئی ہے

پڑاؤ

یہ نشیب و فراز دُنیا کے
میں نے دیکھے ہیں ایک مدت سے
راہ کے پیچ و خم سے واقف ہوں
میں بھی بھٹکا ہوں دربدر اکثر
کتنی ہی منزلوں سے گزرا ہوں
شہر در شہر قریہ در قریہ
کو بہ کو زندگی کی راہوں میں
میرے نقشِ قدم ہیں راہ نما
کتنے ہی کارواں مرے پیچھے
آج تک آرہے ہیں سلسلہ وار

مَیں وہ رہبر ہوں جس کے حصّے میں
آج تک بھی نہیں کوئی منزل
ایک منزل ملی تو سمجھا ہے
اس کے آگے بھی ہے کوئی منزل
اور پھر چل پڑا ہوں دم لے کر
اور اسی طرح روز و شب پیہم
جس جگہ رُک گیا ہوں دم لینے
بن گئی ہے وہ منزل اوروں کی
اور اس طرح ہر پڑاؤ مرا
ایک منزل ہے رہروؤں کے لئے

جدائی

چاند تارے چمک چمک کے مجھے
جیسے دیتے ہیں اک تمہارا پیام
لیکن اوقات کے ہیں یہ بھی غلام
چاند تاروں کا یہ حسین جلوس
اور بہاروں کے دلنشیں منظر
ہم سے مربوط رہ چکے ہیں سب
اور اب دیکھ کر مجھے تنہا
پوچھتے ہیں تمہارے بارے میں
میں انہیں کیا جواب دوں آخر
سوچتا ہوں تو دل سُلگتا ہے
زندگی کی سہانی گھڑیوں کی
بات ایک ایک یاد آتی ہے۔
دکھ کی گھڑیوں کی بھی کئی باتیں
بھول کر بھی نہ بھول پایا مَیں
میری محرومیٔ محبّت کی
ایک اک بات یاد آتی ہے
بھولنا چاہتا ہوں میں لیکن
ایک میرے شکستِ دل کی بات
دن ہو یا رات یاد آتی ہے

آواز

میں اِک مسافر تنہا جو راہ میں رُک کر
کسی درخت کے سائے میں تھک کے بیٹھا تھا
کسی نے آکے دلاسا دیا محبّت سے
کہا یہ مجھ سے کہ تم کیوں اُداس بیٹھے ہو
اُٹھو تمہارا کوئی ہمسفر نہیں نہ سہی
تمہیں تو تنہا ہی چلنا ہے اپنی منزل تک

یہ کس نے دی مجھے آواز کس کی ہے یہ صدا
بہ دیر میں نے جو سوچا تو مجھ کو عِلم ہوا
مرا ہی عزم تھا جو آج مجھ سے بولا تھا
یہ میں تھا میرے ہی اندر چھُپا ہوا میں تھا

تندرستی

(نثری نظم)

جس کا دماغ کمزور ہوتا ہے
وہ تنومند ہوتا ہے
یعنی اس کی صحت اچھی ہوتی ہے
جس کی صحت اچھی ہوتی ہے
وہ پہلوان ہوتا ہے
اور سماج کو پہلوانوں کی ضرورت ہے
سالک نے کہا ہے
تنگ دستی اگر نہ ہو سالک
"تندرستی ہزار نعمت ہے"
تندرستی کے لئے دماغ کی کیا ضرورت ہے

———

جو کہ ثابت کرنا تھا

(نثری نظم)

یہ بات بالکل سچ ہے
جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے
وہی سچ بات ثابت کر سکتا ہے
(اس کے لئے وکالت کی ڈگری ضروری نہیں)
لہٰذا یہ ثابت ہوا
جو جھوٹ نہیں بول سکتا
وہ سچ بھی نہیں بول سکتا
(جو کہ ثابت کرنا تھا)

غزلیں

○

عزم پختہ ہو تو پتھر سے پسینہ نکلے
ہو لگن سچی تو محنت سے خزینہ نکلے

حوصلہ ہو تو بلندی کے سفر میں خود ہی
سنگِ رہ منزلِ مقصود کا زینہ نکلے

زندگی ہو گئی اِک آگ کا دریا اَب تو
اِس کی لہروں پہ مرے دِل کا سفینہ نکلے

ہو اگر قدر تو پھر شعر کی محفل بھی سجے
کچھ تو اِس دَور میں جینے کا قرینہ نکلے

عُہدِ غالب تھی یہی قرض کہیں مِل جائے
مئے پہ چھلکتی رہے بے فکر مہینہ نکلے

حیدرآباد میں یوں ہی نہیں پردے کا چلن
ہوش گم کر دے جو پردے سے حسینہ نکلے

اُس کے دل میں بھی بتاؤں گا مَیں خود گھر جا کے
اُس کے سینے سے ذرا نفرت و کینہ نکلے

○

اِس سے پہلے کہ کوئی آکے اُچھالے مجھ کو
میں ترا راز ہوں سینے میں چھپا لے مجھ کو

تجھ سے ممکن ہے تو پھر اپنا بنا لے مجھ کو
ورنہ کر دے کسی قاتل کے حوالے مجھ کو

میری لغزش ہی مجھے دیگی سنبھالا شاید
اب یہ بہتر ہے کہ کوئی نہ سنبھالے مجھ کو

کھو دیا اُس نے مجھے تیرے حوالے کر کے
اب اے دُنیا کہیں تو بھی نہ گنوا لے مجھ کو

اب تو سو نے دے تھکا ہارا ہوں اے حُسنِ جہاں
جب ضرورت پڑے میری تو جگا لے مجھ کو

اب ترے ہاتھ میں آنے سے رہا اے پستی
میں بلندی پہ ہوں آنا ہے تو آ لے مجھ کو

حال یہ ہے کہ تری یاد میں بس روتا ہوں
تیری مرضی ہے کہ جب چاہے ہنسا لے مجھ کو

دِل غریبوں کے کئی جلتے ہُوئے دیکھے ہیں
تیرگی میں بھی نظر آئے اُجالے مجھ کو

در پہ رُسوائی مری دینے لگی ہے دستک
آبرو ہُوں تری وحدت کی، بچا لے مجھ کو

میرے اِخلاص پہ کُھل جاتے ہیں اِقرار کے در
روک سکتے نہیں اِنکار کے تالے مجھ کو

دونوں اِس بات پہ اَب آ کے اَڑے ہیں جامیؔ
مَیں مناؤں اُسے، وہ آ کے منا لے مجھ کو

کیا بتلاؤں کیا کیا عیش و عشرت ہے صحراؤں میں
ہم جیسوں کی محنت ہے تو جنّت ہے صحراؤں میں

ہجر کے مارے روز و شب کی وحشت ہے صحراؤں میں
ساتھ ہی تیری یادوں کی اِک لذّت ہے صحراؤں میں

خون پسینہ ایک کیا تو خوابوں کی تعبیر ملی
پھر یہ جانا خوابوں کی اِک جنّت ہے صحراؤں میں

واپس آ کر علم ہوا یہ سب کے بیچ میں تنہا ہیں
تنہائی بھی اصل میں بزمِ راحت ہے صحراؤں میں

ریت پہ جلتے محل کھڑے ہیں آندھی سے گر جائینگے
مجھ سے شاعر کو یہ سب بے قیمت ہے صحراؤں میں

محفل محفل ساری رونق لوگو میرے دم سے تھی
میں کیا لوٹا سنّاٹے کی صورت ہے صحراؤں میں

سچ تو یہ ہے میرا رستہ روک لیا کرتی ہے یہ
میرے آگے پیچھے تیری تہمت ہے صحراؤں میں

جامیؔ اب تم خاک نہ چھانو ریتیلے میدانوں کی
لوٹ چلو اب، دیکھو کتنی وحشت ہے صحراؤں میں

بیوی بچے یاد آتے ہیں جامیؔ ان کا کیا کیجئے
میں نے مانا دولت دولت ہے صحراؤں میں

لوگ گھبرا کے نکل آتے ہیں باہر اکثر
یوں ہی رہ رہ کے بدل جاتا ہے منظر اکثر

پھر جراحت تری کر دیتی ہے تازہ ان کو
زخم بھرتے نہیں دیتے ترے نشتر اکثر

ایسا لگتا ہے کہ مرضی مرے سرکار کی ہے
کر دیئے جاتے ہیں ہم لوگ جو بے گھر اکثر

چشمِ ساقی کا عجب مجھ پہ کرم ہے یہ بھی
ٹوٹ جاتا ہے مرے ہاتھ سے ساغر اکثر

محفلِ شعر میں موجود طرحداروں نے
مجھ پہ پھینکے نگہِ ناز کے کنکر اکثر

نطق پا پا کے سبھی مجھ سے مرے شعروں میں
گفتگو کرتے ہیں الفاظ کے پیکر اکثر

مجھ پہ پتھراؤ سے پہلے یہ ذرا سوچ بھی لو
کہ بلندی سے پلٹ آتے ہیں پتھر اکثر

چھوڑ دے رکھی ہے تو نے جو ارادے کی مجھے
مجھ کو خود لکھنا پڑا اپنا مقدر اکثر

کتنے طوفان اٹھاتا ہے نہ پوچھو جامیؔ
میرے اندر جو مچلتا ہے سمندر اکثر

(واجپائی مشرف آگرہ ملاقات کی نذر)

محبتوں کی فضا ہر گھڑی رہے قائم
یہ مسکراتی ہوئی زندگی رہے قائم

یہ آگرے کی ملاقات کا حسین منظر
یہ میل جول یہی خوش دلی رہے قائم

کبوتروں کی اُڑانوں سے آسمان بھرے
زمیں یہ امن و محبت یونہی رہے قائم

دلوں میں پیار بڑھے یوں ہی دونوں ملکوں کے
رفاقتوں کی سدا رُت یونہی رہے قائم

دوبارہ پھر سے یہ کہلائے جنتِ کشمیر
یہاں پھر امن رہے آشتی رہے قائم

فضائے دہر سے بادل غموں کے چھٹ جائیں
ہوائے امن چلے سرخوشی رہے قائم

لنڈھائے جام رے ساقی محبتوں کے ایاغ
سرور باقی رہے تشنگی رہے قائم

ہے واجپائی مشرف کا یہ ملاپ اٹل
تو ہند و پاک کی یہ دوستی رہے قائم

○

(طنزیہ)

جاتے ہیں یونیورسٹی لڑکے پڑھاتے ہیں میاں
اہلِ زباں ملتے نہیں طوطے پڑھاتے ہیں میاں

دیکھا نہ تھا اب دیکھ لیں کیسے پڑھاتے ہیں میاں
بیناؤں کو اب عقل کے اندھے پڑھاتے ہیں میاں

ہم کو نہیں تھا یہ پتہ اس دور کے اُستاد بھی
تاریخ کے سب واقعے اُلٹے پڑھاتے ہیں میاں

سر سے بلائیں ٹل گئیں یا جہل ہیں پھر ڈھل گئیں
جب سے کتابیں جل گئیں چہرے پڑھاتے ہیں میاں

بین السطور اُستے پڑھا ہر لفظ ہے اک حادثہ
سچے سبھی قصے یہاں جھوٹے پڑھاتے ہیں میاں

اخلاق بھی آداب بھی ہیں آجکل بدلے ہوئے
اشراف کو درسِ وفا غنڈے پڑھاتے ہیں میاں

رحمٰن جامی آپکی یہ شاعری اردو میں ہے
پڑھتے ہیں بہرے لوگ اسے گونگے پڑھاتے ہیں میاں

یہ زندگی جو ہو گئی بے رنگ شہر میں
ہم خود سے ہو چکے ہیں بہت تنگ شہر میں

سب سے حسین تو ہی ہے خوش رنگ شہر میں
ہر آنکھ تجھ کو دیکھ کے ہے دنگ شہر میں

موسم کا کیا بھروسہ ہے گلرنگ شہر میں
کیا جانے کب برسنے لگیں سنگ شہر میں

اِس زندگی نے پاؤں میں زنجیر ڈال دی
اب پاؤں ہو چکے ہیں مرے لنگ شہر میں

زن زر زمین میں سے کسی نام پر سہی
روزانہ ہوتی رہتی ہے اِک جنگ شہر میں

کل کچھ تھا آج کچھ ہے تو کل ہوگا اور کچھ
ہر شئے بدلتی رہتی ہے نیرنگ شہر میں

کب تک حیا دلائیں کہاں تک گلہ کریں
بے ننگ لوگ رہتے ہیں بے ننگ شہر میں

فکر و نظر کی باری ہے جا آئی اب اسکے ساتھ
احساس کو تو لگ ہی گیا زنگ شہر میں

جب کبھی غم کے مرحلے آئے
ہم تری بزم میں چلے آئے

لُٹ کے جتنے بھی قافلے آئے
نام تیرا زباں پہ لے آئے

آئیے دل پہ ہاتھ رکھ دیجیے
آپ بھی وقت پر بھلے آئے

سب تو مسرور آئے لیکن ہم
تیری محفل سے درد لے آئے

ہر طرف رت جگے کا عالم ہے
گھر کو کیا آج شب ڈھلے آئے

گھر میں ہر سو ہے چاندنی بکھری
ہم ترے آسماں تلے آئے

سب کی حالت نہیں ہے یک جیسی
سب کے سب یوں تو دل جلے آئے

ہم سے وہ کھنچ کے رہ گئے جامیؔ
بیچ میں کیسے فاصلے آئے

رات کو دن کر دیا
"نا" کو ممکن کر دیا

تھا جو حرکت میں یہ دل
اس کو ساکن کر دیا

تھا بڑا کافر یہی
دل کو مومن کر دیا

آنکھ تکتی رہ گئی
کس کو ضامن کر دیا

حسن کی دولت تری
مجھ کو خازن کر دیا

مجھ کو تیرے عشق نے
پاک باطن کر دیا

نام تھا جامی مرا
اس نے "جامن" کر دیا

○

حُسن بے کل ہُوا
عشق پاگل ہُوا

وہ مِلا پیار سے
مسئلہ حل ہُوا

ہاتھ آتا نہیں
وہ تو بادل ہُوا

انتظار آج تک
یوں ہی پل پل ہُوا

تیری آنکھوں کا میں
جیسے کاجل ہُوا

تھا جو سرِکُل ترا
میرا سر کل ہُوا

آسرا اب مرا
تیرا آنچل ہُوا

آج جامیؔ کا تھا
"آج" "پھر" "کل" ہُوا

○

(تمام تر مطلعوں پر)

نام نہ لے اب مرا
مَیں تو پرایا ہُوا

اتنا نہ نزدیک آ
بیچ میں رکھ فاصلہ

دیر نہ کر آ بھی جا
مجھ کو گلے سے لگا

اور بھی کچھ پیار کا
چڑھنے لگا ہے نشہ

رنج نہ کر مُسکرا
چھوڑ بھی دے بُھول جا

پیار کا اقرار کا
چلتا رہے سلسلہ

میں بھی نہیں سو سکا
تو بھی منا رت جگا

درد تو ہے قوم کا
میں تو نہیں رہنما

شاعری کرتا رہا
نام بڑا ہو گیا

آپ سے جا کر مِلا
مسئلہ حل ہو گیا

دوغزله

○

(۱)

حُسن کو غمزدہ، دربدر دیکھ کر
میرا دل رو پڑا، چشمِ تر دیکھ کر

وقت تھم سا گیا اُسکی خاطر یہاں
زندگی رُک گئی منتظر دیکھ کر

آگہی، دِل کی دُشمن ہے ہُشیار رہ
وار کردے زدہ بے خبر دیکھ کر

حوصلہ میرے دِل کا بڑھا اور بھی
راہ کو اور بھی پُر خطر دیکھ کر

اِک نظر ہی میں سودا ہُوا دِل کا طے
مجھ کو اپنا لیا اِک نظر دیکھ کر

اُن سے کچھ لینا دینا نہیں ہے ہمیں
بات کرتے ہیں جو صرف سر دیکھ کر

بزم میں دوست بھی اور دُشمن بھی ہیں
ہاتھ جا مئے مِلا خیر و شر دیکھ کر

(۲)

راہزن ہو گئے راہبر دیکھ کر
راہ رو دیکھ کر ہمسفر دیکھ کر

وہ جو ہمراہ تھے ساتھ منزل بھی تھی
مجھ کو یاد آ گیا رہ گزر دیکھ کر

جان کر بوجھ کر اجنبی بن گئے
ریل میں وہ مجھے ہمسفر دیکھ کر

اُن کی ریسرچ اردو ادب میں ہے یہ
مجھ کو غالب کہا میرا گھر دیکھ کر

دل ہے یہ دل ہے یہ دل ہے یہ دل ہے یہ
چارہ گر چارہ گر چارہ گر دیکھ کر

سر کی گنتی بھی اپنی جگہ ہے اہم
لوگ اُنگلی اُٹھاتے ہیں سر دیکھ کر

طُول رحمٰن جامی نے دی بر ملا
آپ کی بات کو مختصر دیکھ کر

(۱)

ظلم اُس کا ستم اُس کا حکومت بھی اُسی کی
فریاد کریں کس سے عدالت بھی اُسی کی

کس چہرے کو سچّا کہیں کس چہرے کو جھوٹا
ہر لمحہ بدلتی ہوئی صورت بھی اُسی کی

خود اُس کی ہی پہچان ہے اُس کے لئے مشکل
آئینہ بھی اُس شوخ کا حیرت بھی اُسی کی

ہیں مشقِ ستم کے لئے اِک ہم ہی نشانہ
اِک ہم ہی ہمیشہ ہیں ضرورت بھی اُسی کی

رُسوائی کا ساماں بنی اب کے یہ شرارت
تدبیر بھی اُس کی تھی شرارت بھی اُسی کی

گھر میرا گرا کر ہُوا بے خانماں خود بھی
شامت بھی اُسی کی ہے قیامت بھی اُسی کی

اِس دور کا غم سہنے پہ مجبور ہے جامیؔ
یہ حوصلہ بھی اُس کا ہے ہمّت بھی اُسی کی

(۲)

طاری ہے فسادات میں دہشت بھی اُسی کی
تھا جس پہ بھروسہ یہ ہے حرکت بھی اُسی کی

اِس دور کی تہذیب میں سچائی ہے عنقا
تردید بھی اُس کی ہے حمایت بھی اُسی کی

بازار میں لایا ہُوا ہے مال بھی اُس کا
ہے آپ ہی گرتی ہُوئی قیمت بھی اُسی کی

جو عہد نبھانے کے بھی لائق نہیں ہوتا
ہوتی ہے بہرحال ہزیمت بھی اُسی کی

تھا ہاتھ اُسی ہمدرد کا بربادی میں میری
سُنتے ہیں کہ خفیہ تھی ہدایت بھی اُسی کی

سُن سُن کے ہُوا جاتا ہوں ہر بار میں حیراں
خود اُس کی زبانی ہے حکایت بھی اُسی کی

ٹھہری ہے عمارت بھی کوئی ریت پہ جامی
لے ڈوبے گی خود اُس کو حماقت بھی اُسی کی

(۱)

سانپ ہیں جن کی آستینوں میں
وہ بھی شامل ہیں ہم نشینوں میں

بدلو انداز اپنے جینوں میں
کرلو تبدیلیاں قرینوں میں

لوگ شاہین ہو گئے سارے
بے گھری آگئی مکینوں میں

عشق مشہور ہو گیا اپنا
زندگی کٹ گئی حسینوں میں

جلتے کب بھک سے گھر ہی اُڑ جاتے
آگ پلنے لگی ہے سینوں میں

سطح اونچی تھی ہم کلامی کی
اپنا معیار تھا ذہینوں میں

ہم نے اکثر غزل کہی جامیؔ
ان کہی ان چھوئی زمینوں میں

(۲)

یوں تو شامل تھے وہ حسینوں میں
تھے الگ سب سے مہ جبینوں میں

لوگ مصروف سازشوں میں ہیں
ہے بھرا بغض جن کے سینوں میں

میرے قدموں میں آ گرا ہے وہ
جو بھی ٹکرایا مجھ سے زینوں میں

آب باقی نہیں رہی اب وہ
آ گیا بال آبگینوں میں

کچھ گمان اتنے خوبصورت تھے
وہ جو ممکن نہ تھے یقینوں میں

اُس سے بچھڑا تو یوں لگا جیسے
ایک اِک پل کٹا مہینوں میں

○ سرسی چھندٗ

○ گیتٗ

سرسی چھند

اس کا میرا ساتھ ہے ایسے سایہ جیسے ساتھ
دن جیسے ہی نکلا چھپ گئی پیا ملن کی رات

○

آنکھوں آنکھوں میں ہوتی ہے جو ہے دل کی بات
چال یہ دنیا جو چلتی ہے کھا جاتی ہے مات

○

میٹھے میٹھے سپنوں کی ہے کڑوی سی تعبیر
آزادی کے پاؤں بندھی ہے رشتوں کی زنجیر

○

شہروں میں بھی مل جاتا ہے لوگوں کو بن باس
کسی کسی کو ہی آتی ہے، یہاں محبت راس

قومی گیت

دنیا میں لاثانی ہیں
ہم سب ہندوستانی ہیں

ہم سے ہے دنیا کا نام
اونچا ہے ہر اپنا کام
پیار جتلاتے ہیں سب سے
کرتے ہیں ہم سب کو رام
دشمن کی حیرانی ہیں
ہم سب ہندوستانی ہیں

ہم سے عشق و محبت ہے
ہم سے دل کی عظمت ہے
پیار کی خاطر جیتے ہیں
دنیا بھر میں شہرت ہے
پیار میں ہم طوفانی ہیں
ہم سب ہندوستانی ہیں

شرم و حیا کے مارے ہم
چھو لو تو ان گارے ہم
جن لوگوں نے پیار کیا
ان لوگوں کے پیارے ہم
جذبے بھی انسانی ہیں
ہم سب ہندوستانی ہیں

مسلم بھی ہندو بھی ھم
الفت کی خوشبو بھی ھم
خوشیوں سے جو ناچ اٹھیں
وہ جھومر گھنگھرو بھی ھم
چاہت میں لافانی ہیں
ہم سب ہندوستانی ہیں

دنیا والے رکھیں یاد
جاگی اب ہیں ہم آزاد
مالک ہیں مرضی کے ہم
خوشیوں سے ہے دل آباد
امن و اماں کے بانی ہیں
ہم سب ہندوستانی ہیں

تُو ہے میرا یار
مجھ کو تجھ سے پیار
تیرے میرے بیچ میں حائل دُنیا کی دیوار
اللہ خیر کرے
اس دنیا سے بھاگ کے گوری آیا تیرے گاؤں!
تیرے گاؤں میں پیپل کی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں
پایل کی جھنکار
کوئل کرے پکار
تیری صورت دیکھ کے جاؤں دکھلا دے دیدار
اللہ خیر کرے

سچ تو یہ ہے اس دنیا کو تجھ سے مجھ سے بیر
کل تک جو اپنے تھے پیارے آج ہوئے ہیں غیر
ہوئی ہے اپنی ہار
جیت گیا سنسار
اب کے جیت ہماری ہوگی کہتے ہیں آثار
اللہ خیر کرے

●●

اُردو دوہے

جب دیکھو مصروف ہے، جامیؔ صبح و شام
جس کے ذمّے کام ہے، اُسے نہیں آرام

○

لوگ سبھی تھے باورے، لوگوں کا کیا دوش
تم سے پریتم آس تھی، تم ہی تھے خاموش

○

نِربل نِربل ہی سہی، اس میں بھی ہے زور
گلے لگے پھانسی پڑے، دھاگے کی اِک ڈور

○

سچ جس کو ہے بولنا، اب وہ آگے آئے
یہ راہِ ایمان ہے، آ کر جان گنوائے

○

سچ کہنے کا حوصلہ، کرے یہاں اب کون
جامیؔ وہ آگے بڑھے، جو دھارے ہے مَون

○

رہ رہ کر اٹھتی رہی، دل میں اُس کی پیڑ
تنہائی گھیرے رہی، ہر جانب تھی بھیڑ

آگ لگانے کے لئے، بڑھا کسی کا ہاتھ
جل جائے گا آپ بھی، بھول گیا یہ بات

○

عمر سیاست میں کٹی، گھومے دیس بدیس
جیسا تھا ویسا رہا، جامی اپنا بھیس

○

صورت لے کر کیا کریں، جس سے بیکل نین
صورت سے سیرت بھلی، جو پہنچائے چین

○

سیدھے رستے پر لٹے، سیدھے سچّے لوگ
اب ان کے احوال کا، کون منائے سوگ

○

برسوں سے ہم پیار کا، بھوگ رہے ہیں بھوگ
دوا دعا سب کر چکے، گیا نہ دل کا روگ

○

بچپن سے تو آج تک، بنا رہا محبوب
جواں ہوا تو اور بھی، من کو بھائے خوب

لمحہ لمحہ رات دن، بہے سمے کی دھار
کر لو جامی تیر کر، جیون ساگر پار

○

جب جب نظریں اُٹھ گئیں، چلے نین کے بان
گھایل ایسے ہو گئے، کٹھن ہے بچنا جان

○

آنکھوں میں آنسو نہیں، کرتا جاؤں ہائے
یاد تمہاری ہر گھڑی، آ آ کر تڑپائے

○

دُنیا بھر کے درد سے، رہا سدا دو چار
پھر بھی میرے پیار نے، کبھی نہ مانی ہار

○

یار مخالف ہو گیا، جیت گیا سنسار
اُس کے میرے بیچ میں، اُٹھی نئی دیوار

○

مَیں نے کچھ نظمیں لکھیں، دل والوں کے نام
اُلٹا مجھ پر آ گیا، شہرت کا الزام

تو بھی نکلا اجنبی، مٹی سبھی پہچان!
رفتہ رفتہ ہو گیا، جگ سارا انجان!

○

یہی ملا مجھ کو صِلہ، دھرا ہے خالی جام
کام کسی نے کر دیا، ہوا کسی کا نام

○

مَیں بھی تنہا ہو گیا، کرتے کرتے پیار
اتنا پاگل پن بڑھا، بگڑا سب آکار

○

شکل تری پہچان کر، ہِلا جو مَیں اِس بار
مار گئی یہ بے رُخی، مجھ کو بے ہتھیار

○

تجھ کو رکھ لینی پڑی، مری طلب کی بات
تو ہی بتلا ساقیا، جیت ہوئی یا مات

○

کیا سمجھاؤں آپ کو، کیا ہے ہندوستان
آپس میں مل کر رہیں، ہے سونے کی کان

جینا مشکل ہے یہاں ، موت نہیں آسان
ایسے میں وہ کیا کرے، جو ہے بدھی مان

○

دنیا کے حالات نے، چھین لیا ہے چَین
بوسنیا کے باب میں ، ہوا نہ کوئی بَین

○

آگ لگا کر تھک گیا ، وہ ظالم ہیہات
جب جب میرا گھر جلا ، آئی ہے برسات

○

لُوٹ گئی جامیؔ مجھے ، اس کی تیکھی چال
مَیں لکھتا ہی رہ گیا ، آنکھوں دیکھا حال

○

وہ تو آکر بھی گیا ، ہوئی نہ کوئی بات
میں مَلتا ہی رہ گیا ، جامیؔ اپنے ہات

مُسدّس

چلمن

درِ حبیب پہ جو تھی کبھی حیا چلمن
جواں رتوں میں وہی بن گئی سزا چلمن
جو تجھ سے ہو سکے بڑھ کر ابھی اٹھا چلمن
کہ مانگتی ہے محبت کا خوں بہا چلمن
کہاں کہاں سے اٹھائیں بتلیے جاؔمی
پڑی ہے یادوں کی اب تو جگہ جگہ چلمن

خرد میری کہتی ہے

خرد میری کہتی ہے اب میرے دل سے
طلب میں کسی کے نہ نادان بننا
نہ کرنا کسی سے محبت کی باتیں
نہ دیدار کرنا نہ حیران بننا
کہا ہے یہ حالی نے اپنی غزل میں
فرشتے سے بڑھ کر انسان بننا

انجامِ عاشقی

کہنے کو کامیاب ہے انجامِ عاشقی
ناکامیوں کا باب ہے انجامِ عاشقی

ویسے بھی راہِ عشق میں ہر ایک سوال کا
اک موت ہی جواب ہے انجامِ عاشقی

تعبیر جس کی دے نہ سکا کوئی آج تک
پاگل کا ایک خواب ہے انجامِ عاشقی

رُباعیات

اللہ کے ہاتھوں کا بنایا چہرہ
اس پر یہ سلیقے سے سجایا چہرہ
کیا خوب ہے یہ حُسن کی محجوب ادا
تکتے ہی رہے ہاتھ نہ آیا چہرہ

تصویر کو سینے سے لگا لیتا ہوں
درد اٹھے تو اس دل میں دبا لیتا ہوں
آتا نہیں جب چین کسی بھی صورت
اپنی ہی غزل ڈوب کے گا لیتا ہوں

احساس محبت کا جہاں ہوتا ہے
کہتے ہیں وہیں درد نہاں ہوتا ہے
میں لاکھ جتن کر کے بھی ناکام رہا
اس دل میں سکوں تیرے کہاں ہوتا ہے

محروم نہ کر دے کہیں دنیا تجھ سے
پھر دُور نہ لے جائے تمنا تجھ سے
اس واسطے رہ رہ کے چلا آتا ہوں
وابستہ ہے جذبات کا رشتہ تجھ سے

○

جذبات کو آئینہ دکھا دیتی ہے
احساس کو کچھ اور جگا دیتی ہے
بھیجا ہوا کیسٹ جو ترا سنتا ہوں
آواز تری درد بڑھا دیتی ہے

○

بر روئے زمیں زیست کا نغمہ گونجا
کس درجہ حسیں زیست کا نغمہ گونجا
جس وقت کیا تو نے کہیں مجھ سے کلام
فی الفور وہیں زیست کا نغمہ گونجا

○

شاعر ہوں تو احساس دلاتا ہے مجھے
اس قوم کی تقدیر جگاتا ہے مجھے
جو راہ بھٹک جاتا ہے جامیؔ اُس کو
خود ڈھونڈھ کے رہِ راست پہ لاتا ہے مجھے

○

دِل اپنا ہی دشمن تھا رسوا کیا کرتے
پہلو سے اسے اپنے جدا کیا کرتے
جبراً ہی سہی عید کے دن خوشیوں کا
اظہار نہ کرتے تو بھلا کیا کرتے

○

کچھ لوگ کمانے کے لئے آئے ہیں
کچھ لوگ گنوانے کے لئے آئے ہیں
آئے ہیں یہاں ہم بھی تو اِک مقصد سے
اِک حشر اُٹھانے کے لئے آئے ہیں

○

آواز میں آواز مِلانے والے
احساس محبّت کا جگانے والے
آگاہ نہیں اپنے ہی منصب سے ابھی
مدہوش ہیں خود ہم کو پلانے والے

○

ہم ہوش میں رہتے ہیں تو پی لیتے ہیں
یا جوش میں رہتے ہیں تو پی لیتے ہیں
سچ بات تو بس یہ ہے کہ ہم رحمت کی
آغوش میں رہتے ہیں تو پی لیتے ہیں

○

اِسٹیج پہ آنا ہی پڑا ہے ہم کو
کردار نبھانا ہی پڑا ہے ہم کو
ہے رول ہمارا بھی ڈرامے میں اہم
احساس دلانا ہی پڑا ہے ہم کو

قطعات

خوبصورت ہے خوب سیرت ہے
کب تجھے اِن سے اُن سے فرصت ہے
تجھ سے مِلنے کی آرزو ہے بہت
تجھ سے مِلنا مگر قیامت ہے

○

مَیں گنہگار تھا مگر تو نے
اَے خُدا، کر دیا معاف مجھے
رکھ دیا اسقدر بدل کے یہاں
کر دیا میرے برخلاف مجھے

○

اِک تصنّع ہے اِک دِکھاوا ہے
ہاں کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے
ساتھ دیتا ہے دوست مشکل میں
اب کہاں ایسا دوست مِلتا ہے

○

دونوں انجان اب نہیں مِلتے
دین و ایمان اب نہیں مِلتے
اَب انہیں ڈھونڈیئے کہاں جا کر
نیک اِنسان اَب نہیں مِلتے

○

اِس دور میں کمزور ہے سچائی بہت
ہر جھوٹ کی ہوتی ہے پذیرائی بہت
اب ہو تو علاج اسکا بھلا کیسے ہو
دشمن ہی یہاں بھائی کے ہیں بھائی بہت

○

ہم اُن سے تو محبّت کر رہے ہیں
سبھی سامانِ راحت کر رہے ہیں
مگر وہ ہیں کہ اے رحمٰن جاؔمی
مسلسل ہم سے نفرت کر رہے ہیں

○

تبسُّم کی کرامت جانتے ہیں
تکلّم کی فصاحت جانتے ہیں
محبّت کا تقاضہ کہہ رہا ہے
کہ ہم اُن کی حقیقت جانتے ہیں

○

جو آسان تھے وہ مشکل ہو گئے ہیں
یہاں میرے مُقابل ہو گئے ہیں
شعور اب آ گیا ہے اُن کو جاؔمی
وہ اب پڑھ لکھ کے قابل ہو گئے ہیں

(تذکرہ رائچور)

ہے میرا بھی خرابے سے تعلق
فلک کے ہر قلابے سے تعلق
ہوں رائے چور کا باشندہ جاگی
یقیناً ہے دوآبے سے تعلق

مرے شعروں کی قیمت مل رہی ہے
بہر جانب محبت مل رہی ہے
جو بڑھتے جا رہے ہیں میرے حاسد
ترقی کی ضمانت مل رہی ہے

مسلسل مسکراتے جا رہے ہیں
جھکی نظریں ہیں اور گھبرا رہے ہیں
مَیں اپنی باہیں پھیلائے کھڑا ہوں
گلے ملنے سے وہ شرما رہے ہیں

دِلوں کے فاصلے گھٹنے لگے ہیں
وہ اپنی ہٹ سے اب ہٹنے لگے ہیں
سُنا ہے آرہے ہیں مجھ سے ملنے
دغا کے راستے کٹنے لگے ہیں

مُرَقّعے

○

بچہ جہاں بڑا ہوا
تن کر وہیں کھڑا ہوا
بھول گیا اطوار
کل تک جو مجبور تھا
آج ہوا مختار
بدل گیا سنسار

○

کیا دنیا کی سرخوشی
کیا اس دل کی راگنی
کیا من کا سنگیت
سب کچھ اس کے ساتھ ہے
پیسہ جس کا میت
ہے دنیا کی ریت

○

بھیلی دل میں مستی
مہکی مہکی چاندنی
مہکی مہکی رات
جانے ہو کس سوچ میں
کہہ دو دل کی بات
موزوں ہیں حالات

کیا جانے اب کیا ملے
چلوں اگر رستہ ملے
منزل ہے اُس پار
ہے دریا کے پار ہی
ایک نیا سنسار
اب ہمّت مت ہار

○

کیا کیجیے شکوے گلے
گلشن سے ہم کو ملے
گُل کے بدلے خار
جیا مِی اپنی زندگی
پل پل ہے آزار
رہنا تم ہُشیار

○

ملے اگر موقع کبھی
بات کرو انصاف کی
لے کر رب کا نام
سچّائی کے سامنے
جھوٹ نہ آئے کام
نیک رہے انجام

دوہا گو

دوہے میں ہے یادری
اِک عابدؔ پیشاوری

اِک جامیؔ بے جام
اُردو دوہے میں بڑا
دونوں کا ہے نام
دنیا کرے سلام

لیڈر راجہ بن گیا

مَیں نے بخشے حوصلے
اپنے گُٹ کے واسطے
چھل پے گا اب نوٹ
لیڈر راجہ بن گیا
لے کر میرا ووٹ
پہنچائے گا چوٹ

سرکاری عہدہ دار

رشتوں کا بیوپار ہے
رشوت کا بازار ہے
لُوٹ مچی ہے لُوٹ
سچائی کے نام پر
دنیا بولے جھوٹ
بدل بدل کر سوٹ

ؔ حامدؔ پیشاوری نے بھی اردو دوہے لکھے۔

سانیٹ

مجاہد امن

جنگ کو توڑا امن سے تو نے
امن کا ایٹم تیرا دل تھا
روس میں تو جانِ محفل تھا
ناتا جوڑا امن سے تو نے

ساری قوم کا بوجھ سنبھالا
نہرو کے آدرش پہ چل کر
عزم و عمل سے اپنے بَل پر
سارے جگ میں نام کمایا

تو نے ہنس ہنس کر مشکل میں
کام بہت آسان کئے ہیں
کتنے ہی احسان کئے ہیں
قوم پہ تو نے ہر مشکل میں

لال بہادر نام امر ہے
تیرا ہر اک کام امر ہے

؎ تاشقند کانفرنس میں

وصل

خواب و تعبیر میں جو فاصلہ تھا طے نہ ہوا!
زندگی صرف حکایات کی پابند رہی
یعنی بس رسم و روایات کی پابند رہی
راستہ اور بھی ظلمت کا بڑھا طے نہ ہوا

منزلِ نور مگر یوں تو بہت دور نہ تھی
پھر بھی اک گمرہیٔ راہنما ساتھ رہی
درد بڑھتا ہی گیا اور دوا ساتھ رہی
یا شفا ہی دلِ بیمار کو منظور نہ تھی

خواب دراصل جو پوچھو تو کوئی خواب نہ تھا
چند ارماں تھے جو تصویر کی صورت ابھرے
حادثے پھر کئی تعبیر کی صورت ابھرے
رستمِ وقت کے آگے کوئی سہراب نہ تھا

وصل کے نام پہ پائی ہے جدائی ہم نے
کی ہے اک قرض کی تا عمر ادائی ہم نے

اہلِ مشرق ہیں محبّت کا چلن ہیں ہم لوگ
ہم کو آتا ہے محبّت میں فنا ہو جانا
حق و انصاف و صداقت پہ فدا ہو جانا
قلبِ انسان میں محبّت کی اگن ہیں ہم لوگ

دہر میں پیار کے گلزار کی خوشبو ہم ہیں
ہم سے آباد ہے اک حسن و ادا کی بستی
ہم سے قائم ہے محبّت کی وفا کی بستی
دیکھنے والے بھی کہتے ہیں کہ ہر سو ہم ہیں

تم کو چاہا ہے تو اس طور سے چاہا ہم نے
جیسے ہل بان کی ہو چاہ سبھی کی خاطر
جیسے سورج ہو سرِ راہ سبھی کی خاطر
اِس طرح چاہ کے بھی پیار نبھاہا ہم نے

سکھ ہیں عیسائی ہیں ہندو ہیں مسلمان ہیں ہم
فخر کی بات تو بس یہ ہے کہ انسان ہیں ہم

ترائیلے

اشارہ

دے کر خیال و خواب کو جذبوں کی لے گیا
تیرا اشارہ میرے لئے لاجواب تھا
کر کے ستم جگر پہ مرے پے بہ پے گیا
دے کر خیال و خواب کو جذبوں کی لے گیا
اک جست میں ہی فاصلے سب کر کے طے گیا
دل کا تقاضہ اپنی جگہ کامیاب تھا
دے کر خیال و خواب کو جذبوں کی لے گیا
تیرا اِشارہ میرے لئے لاجواب تھا

سمفنی

SYMPHONY

ہمارے درمیاں جو سمفنی ہے
تم اُس کو نغمگی کا نام دے لو
مرے حق میں یہ ہیرے کی کنی ہے
ہمارے درمیاں جو سمفنی ہے
مرا دل تو ہمیشہ سے غنی ہے
جو چاہو تم اسے الزام دے لو
ہمارے درمیاں جو سمفنی ہے
تم اُس کو نغمگی کا نام دے لو

بوم رینگ

BOOMERANG

پلٹ کر مرے ہاتھ میں آگیا ہے
جو ہتھیار پھینکا تھا اوروں پہ میں نے
سمٹ کر مرے ہاتھ میں آگیا ہے
پلٹ کر مرے ہاتھ میں آگیا ہے
جو کٹ کر مرے ہاتھ میں آگیا ہے
وہ خود میرا اپنا ہی مَیں پن تھا جیسے
پلٹ کر مرے ہاتھ میں آگیا ہے
جو ہتھیار پھینکا تھا اوروں پہ مَیں نے

؎۱ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کا ہتھیار جس کی خصوصیت یہ ہے کہ جب وہ شکار پر پھینکا جاتا ہے تو نہ لگنے کی صورت میں دوبارہ ہاتھ میں واپس آجاتا ہے۔

صدا بہ صحرا

ذرا آواز دو احساس والو
کہ میں سمجھوں یہاں تنہا نہیں ہوں
کہاں ہو اے حقیقت کے اُجالو
ذرا آواز دو احساس والو
کہیں سے کچھ تو بولو ہم خیالو
فقط میں ہی یہاں پیاسا نہیں ہوں
ذرا آواز دو احساس والو
کہ میں سمجھوں یہاں تنہا نہیں ہوں

احساس کے آوارہ جھونکے

مرے احساس کے آوارہ جھونکے
ترے عالم سے ٹکرانے لگے ہیں
نشیلی آس کے آوارہ جھونکے
مرے احساس کے آوارہ جھونکے
بہ ایں انفاس کے آوارہ جھونکے
مرے دل پر ستم ڈھانے لگے ہیں
مرے احساس کے آوارہ جھونکے
ترے عالم سے ٹکرانے لگے ہیں

ویٹنگ روم

ٹرین آنے میں کچھ دیر ہے ابھی باقی
مرے بہکتے خیالوں سے پُر ہے ویٹنگ روم
کسی کی آنکھیں بنی ہیں مرے لئے ساقی
ٹرین آنے میں کچھ دیر ہے ابھی باقی
یہ اٹھتی جُھکتی نگاہوں کی ہائے رزاقی
کئی چھلکتے پیالوں سے پُر ہے ویٹنگ روم
ٹرین آنے میں کچھ دیر ہے ابھی باقی
مرے بہکتے خیالوں سے پُر ہے ویٹنگ روم

حریفِ جسم و جاں

زیست کے بازار میں ہم ہی رہے
بے نیازِ صورتِ سود و زیاں
ہم خیال و ہم نظر کم ہی رہے
زیست کے بازار میں ہم ہی رہے
اور جو باقی تھے برہم ہی رہے
کون ہوتا ہے حریفِ جسم و جاں
زیست کے بازار میں ہم ہی رہے
بے نیازِ صورتِ سود و زیاں

ٹیلیفون اسسٹنٹ

یہ ٹیلیفون کی گھنٹی عجب ہے
اسے اک پل نہیں ہے چین جیسے
تحکم ہے تلوّن ہے غضب ہے
یہ ٹیلیفون کی گھنٹی عجب ہے
سبب سے ہے کبھی تو بے سبب ہے
ہیں باہم کچھ خفا طرفین جیسے
یہ ٹیلیفون کی گھنٹی عجب ہے
اسے اک پل نہیں ہے چین جیسے

حاسِد

میرے قدموں سے لپٹ کر رہ گیا
قد بہر صورت رہا بونے کا قد
شرم سے پھر خود ہی کٹ کر رہ گیا
میرے قدموں سے لپٹ کر رہ گیا
اور پھر خود ہی سمٹ کر رہ گیا
میرے اونچے قد سے تھا اس کو حَسَد
میرے قدموں سے لپٹ کر رہ گیا
قد بہر صورت رہا بونے کا قد

حیدر آباد

یَں نے مانا کہ حسیں اور نگر بھی ہوں گے
حیدر آباد سا دنیا میں نہیں شہر کوئی
ان میں میری ہی طرح اہل نظر بھی ہوں گے
میں نے مانا کہ حسیں اور نگر بھی ہوں گے
جن میں ہندو کے مسلمان کے گھر بھی ہوں گے
ایسا ہو گا نہ محبّت کا حسیں شہر کوئی
یَں نے مانا کہ حسیں اور نگر بھی ہوں گے
حیدر آباد سا دنیا میں نہیں شہر کوئی

خُدا سے ہم کو ہے نسبت زیادہ
تمہارے پاس ہے سب کچھ دِکھاوا
تمہاری گرچہ ہے شہرت زیادہ
خدا سے ہم کو ہے نسبت زیادہ
ہمیں لوگوں سے ہے اُلفت زیادہ
بہت پک پک کے نِکلا ہے یہ لاوا
خدا سے ہم کو ہے نسبت زیادہ
تمہارے پاس ہے سب کچھ دِکھاوا

ماہیئے

مغرور نظر آیا
آج ذرا سا جو
مشہور نظر آیا

○

ویسے تو شناسا تھا
نام نہیں پوچھا
وہ تیرا دِوانہ تھا

○

اظہار نہیں کرتے
لوگ محبّت کا
اقرار نہیں کرتے

○

مانا کہ فسانہ ہے
اور قسانے کی
تفصیل میں جانا ہے

○

مقصود نہیں پایا
آپ کو محفل میں
موجود نہیں پایا

مستی کی ہواؤں میں
لاج بچاتی ہے
بستی کی ہواؤں میں

○

تقریر بھی کرنی ہے
بات محبت کی
تحریر بھی کرنی ہے

○

تہذیب بھی دیکھی ہے
آرٹ میں فیشن کی
تخریب بھی دیکھی ہے

○

کھا کر تو بنایا ہے
خاک بناؤں گھر
سامان ہی مہنگا ہے

○

دل والو جگر والو
درد کہاں اٹھا
دیکھو تو نظر والو

اُس بزم میں جائیں گے
لوگ جو چاہیں تو
پھر شعر سُنائیں گے

○

توصیف بھی اُس کی ہے
ظلم بھی اُس کا ہے
تعریف بھی اُس کی ہے

○

ہائیکو

شارٹ سلیبلس

یکجہتی

آؤ اب ہم تم
اِک دوجے میں ہو جائیں
رفتہ رفتہ گُم

گھر

ماتا چھوٹا ہے
جو ہے میرے حِصّے کا
گھر تو اپنا ہے

آس

دنیا خالی ہے
لیکن تیری صورت سے
قسمت والی ہے

فرار

آؤ اب جانم
کھو جائیں اس دنیا میں
رستہ پا کر ہم

لونگ سلیبلس

انا

ابھی ابھی سنا تھا سو گئی
مری انا کے جاگنے کی دیر تھی میاں
کہ سر پہ پھر سوار ہو گئی

آدمی

یہاں وہاں تلاش کر چکا
زمیں پہ آدمی کہیں نہ مل سکا مجھے
سبھی جہاں تلاش کر چکا

پیار

بھٹک رہا ہے آدمی ابھی
جہاں کے کام چل رہے ہیں آج بھی مگر
یہاں ہے پیار کی کمی ابھی

آگہی

ہے مختصر یہ زندگی سنو
حقیقتاً یہی تو ہے وہ آگہی سنو
کہ دل کی بھی کبھی کبھی سنو

وطن کی یاد

نظر نظر کی بات ہے میاں
وطن کی یاد بھی چمکتی رات ہے میاں
اُجالا اِک حیات ہے میاں

میں جھوٹ بولنے پہ جو آمادہ ہو گیا
پیچھے مجھے ڈھکیل کے سچائی بڑھ گئی

رحمٰن جامی